گرچہ وصالش نہ بکوشش دہند — ہر قدر اے دل کہ توانی بکوش

اگرچہ اس کا وصال کوشش سے نہیں دیتے ہیں — اے دل تجھ سے جس قدر ہو سکے کوشش کر

تحفۂ نقشبندیاں

ناشر: ادارہ سعدیہ مجددیہ، لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد

كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

[redacted] ۔ حضرت خواجہ بہاء الحق والدین النقشبندؒ[1] قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ

وفات شب دوشنبہ ۔ ۳۰ ۔ ربیع الاول ۷۹۱ھ نام محمد بن محمد البخاری ہے ۔ خواجہ محمد بابا سماسی نے اُن کو اپنی فرزندی میں قبول کیا ۔ اگرچہ ظاہر میں طریقت کے آداب سید امیر کلال سے سیکھے ، مگر حقیقت کے اعتبار سے آپ اویسی[2] ہیں اور آپ نے خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی رُوحانیت سے تربیت پائی ۔ جیسے آپ خود فرماتے تھے کہ مبادی احوال و غلبات جذبات میں ایک رات میں بخارا کے مزارات[3] میں سے تین متبرک مزاروں پر پہنچا ۔ میں نے ہر قبر پر ایک چراغ جلتا ہوا دیکھا اور چراغ دان میں تیل بھی پڑا ہے اور بتی بھی ، لیکن ہر ایک کی بتی کو حرکت دینے (باہر نکالنے) کی ضرورت ہے ۔ تاکہ وہ تیل سے باہر آوے اور اچھی طرح روشن ہو جاوے ۔ اور آخری مزار پر میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گیا ۔ اور اس توجہ میں مجھے ایک قسم کی غیبت واقع ہوئی ۔ میں نے مشاہدہ کیا کہ قبلہ کی دیوار پھٹ گئی ہے ۔ اور ایک بہت بڑا تخت نمودار ہوا ۔ اس کے سامنے سبز پردہ ڈالا ہوا ہے اور اس کے گرداگرد ایک جماعت ہے ۔ میں نے ان لوگوں میں بابا سماسی کو پہچان لیا ۔ پس میں جان گیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اس جہان سے گزر گئے ہیں ۔ اس جماعت میں سے ایک نے مجھے کہا ، تخت پر خواجہ عبدالخالق غجدوانی جلوہ افروز ہیں اور یہ اُن کے خلفاء کی جماعت ہے اور ہر خلیفہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں ۔ یہ خواجہ اولیاء کلاں ہیں ۔ یہ خواجہ ریوگری ، خواجہ محمود الخیر فغنوی اور یہ خواجہ علی رامیتنی (قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم) ہیں ۔ جب خواجہ محمد بابا سماسی پر پہنچا ، اس نے کہا ، تو نے ان کی زندگی میں خود ان کو پایا ہے ۔ تیرے شیخ ہیں اور اُنہوں نے تجھے کلاہ دیا ہے اور تجھے وہ کرامت بخشی ہے کہ اتری ہوئی بلاء تیری برکت سے دفع ہو جاتی ہے ۔ اس وقت اس جماعت نے فرمایا ، کان لگا اور اچھی طرح سُن کہ حضرت خواجہ بزرگ ایسی باتیں فرمائیں گے کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی راہ کے سلوک میں تیرے لیے اُن کے بغیر چارہ نہ ہوگا ۔ میں نے اُس جماعت سے درخواست کی کہ میں حضرت خواجہ کو سلام کروں اور اُن کے جمال مبارک کی زیارت سے مشرف ہوں ۔ میرے سامنے سے اُنہوں نے پردہ اٹھا دیا ۔ میں نے ایک نورانی بزرگ کو دیکھا ۔ سلام کیا ۔ اُنہوں نے جواب دیا اور وہ باتیں جو ابتدائی

---

[1] نقش بند کے معنی کاریگر ، صنعت کار اور خالق کے آتے ہیں ۔ [2] حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ حقیقت از غائب گرفتہ ایم ۔ ہم نے حقیقت کو غائب (یعنی غیر حاضر سے) لیا ہے اور جو شخص حقیقت کو غیر سے حاصل کرے ۔ خواہ وہ اس کی زندگی میں یا اس کی وفات میں ایسے آدمی کو صوفیاء کرام اویسی کہتے ہیں جیسے کہ حضرت اویسؓ نے یمن میں رہتے ہوئے غائبانہ طور پر حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقت کو پالیا ۔ [3] مزارات سے مراد صالحین اور اہل اللہ کی قبریں ہیں ۔

سلوک اور اس کے درمیان اور اس کی انتہا سے تعلق رکھتی تھیں۔ میرے سامنے بیان فرمائیں۔ کر فرمایا اور چراغ جو اس کیفیت پر تجھے دکھاتے ہیں۔ تیرے لیے اشارہ ہے۔ تیرے لیے بشارت ہے کہ تجھ میں اس راہ کی استعداد اور قابلیت تو موجود ہے لیکن استعداد کی بتی کو حرکت میں لانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ روشن ہو جائے اور اسرار الٰہیہ ظاہر ہوں۔ دوسری مرتبہ فرمایا اور زور دیکر کہا:

در ہمہ احوال قدم بر جادۂ امر و نہی و عمل با عزیمت و سنت بجای آری۔ و از رخصت و بدعت دور باشی و دائما احادیث مصطفیٰ را پیشوائی خود سازی و متفحص و متجسس اخبار و آثار رسول اللہ و صحابۂ کرام او رضی اللہ عنہم باشی۔

ہر حال میں امر و نہی کی سیدھی راہ پر قدم رکھنا یعنی احکام شرعیہ کی پابندی کرتے رہنا اور ممنوعات شرعیہ سے اجتناب کرنا عزیمت والے کاموں اور سنت والے طریقوں پر پوری طرح عمل کرتے رہنا رخصتوں اور بدعتوں سے دور رہنا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ہمیشہ اپنا راہنما بناتے رکھنا اور ہمیشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کی اخبار و آثار یعنی ان کے اقوال و افعال کی تلاش اور جستجو میں رہنا۔

ان باتوں کے بعد اس جماعت نے مجھ سے کہا، "تیرے اس حال یعنی مشاہدہ کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ کل علی الصباح تو فلاں جگہ جائے گا اور فلاں کام کرے گا۔ اس کی تفصیل حضرت خواجہ کے مقامات میں مذکور ہے۔
ان لوگوں نے فرمایا، اس کے بعد تو نسف[1] جانے کا قصد کر اور جناب سید امیر کلالؒ کی خدمت میں حاضر ہو۔
ان حضرات کے فرمانے کے بموجب میں نسف گیا۔ حضرت امیر کلال کی خدمت میں پہونچا۔ حضرت امیر نے خاص مہربانیاں فرمائیں۔ مجھے ذکر کی تلقین کی اور خفیہ طریقہ پر نفی اثبات کے ذکر میں مشغول فرما دیا اور چونکہ خواب میں مجھے عزیمت

---

[1] جیحون اور سمرقند کے درمیان ایک بستی کا نام ہے جہاں سے مشہور و معروف اہل علم کثیر تعداد میں نکلے ہیں۔ یہ بستی (یا شہر) بخارا و بلخ کے راستہ پر واقع ہے۔

پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے ذکر علانیہ (یعنی ذکر جہری) پر میں نے عمل نہ کیا۔ کسی نے پوچھا، تمہاری درویشی موروثہ ہے یا مکتسب؟ (ورثہ میں ملی ہے یا محنت سے حاصل ہوئی) حضرت خواجہ نے فرمایا۔

جَذْبَةٌ مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ — رحمٰن کی کششوں میں سے ایک کشش تمام آدمیوں اور جنوں کے
تُوَازِي عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ — عمل کی برابری کرتی ہے۔

کے قاعدہ سے میں اس سعادت[1] کے ساتھ مشرف ہوا ہوں۔ پھر اُن سے پوچھا۔ تمہارے طریقہ میں ذکر جہر اور خلوت اور سماع ہوتا ہے؟ فرمایا "نہیں ہوتا ہے"۔ اُس نے پھر کہا، تمہارے طریقہ کی بنا کس پر ہے۔ فرمایا، خلوت در انجمن۔ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ اور باطن میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ۔

از دروں شو آشنا و ز بروں بیگانہ وش — اندر سے دوست رہ اور باہر سے اجنبی اور غیر کی طرح
این چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہاں — ایسا جمیلہ اور خوبصورت طریقہ جہان میں کم ہوتا ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ[2] سے اس ہی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

کہتے ہیں حضرت خواجہ کے ہاں نہ کوئی غلام تھا نہ کوئی لونڈی۔ آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا۔ بندگی با خواجگی راست نیاید "آقائی کے ساتھ بندگی سجتی نہیں[3]۔ ایک آدمی غلام بھی ہو اور آقا بھی۔ یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ کسی نے پوچھا، حضرت والا کا سلسلہ شریف کہاں پہونچتا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا۔

از سلسلہ کسے بجائے نمی رسد۔ — محض سلسلہ سے کوئی شخص کہیں نہیں پہونچتا۔

اور فرماتے۔ تم اپنے نفس پر بدی کی تہمت لگاتے رہو، کیونکہ جو شخص بھی حق سبحانہ کی عنایت سے اپنے نفس کو برائی کے ساتھ پہچانتا ہوگا اور اس کے کر و فریب کو سمجھتا ہوگا۔ اس کے نزدیک یہ عمل سہل[4] ہے۔ اس راہ کے چلنے والوں میں بہت ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے دوسروں کے گناہ اپنے اوپر رکھ لیے اور ان کے بوجھ اپنے اوپر اٹھا لیے

---

[1] سعادت سے مراد خوش نصیبی یعنی درویشی کی سعادت سے مشرف ہوا۔ یعنی ہم نے کیا دھرا کچھ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ جس کی ایک کشش سارے آدمیوں اور جنوں کے عمل کی برابر ہے۔ [2] حق سبحانہ و تعالیٰ کے اس ارشاد کا ترجمہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کو خرید و فروخت یعنی کاروبار دنیوی حق سبحانہ و تعالیٰ کے ذکر حضور و آگاہی سے اُن کو نہیں روکتی۔ ان لوگوں کا دھیان کاروبار میں جتے ہوئے بھی حق سبحانہ میں رہتا ہے۔ [3] میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اگر کوئی لونڈی یا غلام رکھوں تو میں ان کا آقا بنوں گا تو بندہ ہو کر آقا بننا زیب نہیں دیتا۔ [4] یعنی ایسے آدمی کو نفس پر برائی کی تہمت لگانا آسان ہے۔

فقیر عبدالجبار نقشبندی مجددی عفی عنہ

اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللهِ ؀ل میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ :

در ہر لحظہ یعنی نفیٔ این وجود طبیعی مے باید کرد و اثبات ہر لمحہ اور ہر پل میں اس وجود طبیعی کی نفی کرنی چاہیئے اور

معبود حقیقی مے باید نمود۔ حقیقی کا اثبات کرنا چاہیئے۔

شیخ جنید قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ شصت سال ست کہ در ایمان آوردن۔ ایمان لانے میں ساٹھ سال ہو گئے یعنی ساٹھ سال ایمان لانے کی کوشش میں بیت گئے ہیں۔ اور حضرت خواجہ نے فرمایا ہے۔ موجود کی یعنی کائنات کی تاثیر و تصرف کی نفی ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قریب راستہ ہے ؀ٹ۔

جز بہ ترک اختیار و دید قصور اعمال حاصل نمی شود۔ لیکن اختیار کے ترک کے بغیر اور اعمال میں قصور کو دیکھے بغیر نفی موجود حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت خواجہؒ نے فرمایا، اس راہ کے چلنے والے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اور بڑا پردہ ماسوا کے ساتھ دل کا لگاؤ ہے ؎

تعلق حجابست و بے حاصلی چو پیوندہا بگسلی واصلی

ترجمہ : مخلوق سے دل لگانا حجاب اور بے نتیجہ ہے۔ جب تو بندھنوں کو توڑے گا پھر تو واصل ہوگا

اہل حقیقت نے ایمان کی یہ تعریف کی ہے۔

لہ اے ایمان والو ! ایمان لاؤ اللہ پر۔ پہلے ایمان سے مراد یہ ہے کہ جو احکام اور جو واقعات ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ قرآن پاک اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے ہیں اُن کو بے چون و چرا تسلیم کر لینا اور دل سے مان لینا ہے اور دوسرے ایمان سے مراد جس کا ایمان والوں کو باوجود ایمان لانے کے حکم دیا گیا ہے یہ ہے کہ اس تصدیق کو تصدیق حقیقی بناؤ۔ جس کو ایمان حقیقی بھی کہتے ہیں اور حقیقی ایمان یعنی حقیقی تصدیق یہ ہے کہ قوتِ مدرکہ سے تمام ماسوا کو نفی کرنا اور اس قوتِ مدرکہ میں حق سبحانہٗ کا ثابت ہونا ہے۔ ٹہ مراد کائنات، زمین و آسمان اور ان میں بسنے والی تمام مخلوقات کی تاثیر اور تصرف کی نفی کرنا۔ معبودِ حقیقی کی تاثیر اور تصرف کا اثبات ہے

اَلْاِیْمَانُ عَقْدُ الْقَلْبِ بِنَفْیِ جَمِیْعِ مَا الْتَفَتَ الْقُلُوْبُ اِلَیْهِ مِنَ الْمَنَافِعِ وَالْمَضَارِّ سِوَی اللّٰہِ تَعَالٰی

ایمان حقیقی جب ہی وجود میں آئے گا جب صرف حق تعالیٰ سبحانہٗ کے ساتھ دل کا لگاؤ اور جوڑ ہو جاویگا اور تمام چیزیں جن پر دل عاشق ہے اور جن میں انکے نفع و نقصان کے باعث پھنس گیا ہے ان سے اُسکا واسطہ نہ رہے گا۔ (جو مخلوق سے علٰحدہ ہو جانا اور اللہ سے جُڑ جانا ہے)

حضرت خواجہ یہ بھی فرماتے تھے :

طریقۂ ما صحبت است و در خلوت شہرت است و در شہرت آفت ، خیریت در جمعیت است و جمعیت در صحبت بشرطِ نفی بودن در یک دیگر

ہمارا طریقہ صحبت[1] ہے اور خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔ خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے بشرطیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو۔[2]

اور جو کچھ اس بزرگ نے فرمایا ہے تَعَالَ نُؤْمِنُ سَاعَةً[3] آ تھوڑی دیر ایمان لائیں میں اس پر اشارہ[4] ہے کہ اس راہ کے طالبوں کی جماعت اگر ایک دوسرے کے ساتھ صحبت رکھیں گے اور مل جل کر رہیں گے اس میں زیادہ خیر و برکت ہے۔ امید ہے کہ اس صحبت پر ملازمت اور ہمیشگی اور مداومت ایمان حقیقی پر منتہی ہو گی اور فرماتے تھے :-

طریقۂ ما عروۃ وُثقیٰ است چنگ در ذیل متابعت

ہمارا طریقہ ایک مضبوط کڑا ہے کہ پوری قوت سے پانچوں

---

[1] صحبت سے مراد مل جل کر رہنا خلوت سے مراد جدا ہو کر رہنا۔ جمعیت سے مراد دل کی یکسوئی ہے کہ اس میں غیر اللہ کے خیالات آ کر نہ ٹھہریں یعنی اگر غیر کا خیال آ جائے تو اس میں ٹھہرنے نہیں آوے اور چلا جاوے۔ [2] یعنی ایک دوسرے پر نظر نہ ڈالیں یعنی اُن کی نظر تعمیل حکم ہو اور جمعیت کی نسبت کا حاصل کرنا ان کا مقصد ہو۔ [3] ایک صحابی غالباً حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے صحابی سے کہا، آ تھوڑی دیر ایمان لائیں۔ اس سے اشارہ نفی اثبات کی حقیقت کی طرف ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ نفی و اثبات کی صورت نہیں، کیونکہ تمام مومنوں کو صورتاً ایمان حاصل ہے اور صحابی کا یہ کہنا کہ آ تھوڑی دیر ایمان لائیں۔ اگر ایمان کی صورت ہو جو ہر ایک ایمان والے کو حاصل ہے تو تحصیل حاصل ہو گی اور تحصیل حاصل محال ہے۔ [4] اس امر کا اشارہ ہے کہ اگر راہ کے سارے طالب ایک دوسرے کے ساتھ صحبت رکھیں گے اس میں خیر و برکت ہے اس بنا پر کہ ہر ایک طالب دوسرے کے حال سے متاثر ہو گا۔ اور ہیبت اجتماعی جیسے کہ پیر کی صحبت میں نسبت قوی ہوتی ہے [5] یعنی جسطرح کڑے یا کنڈہ میں پانچوں انگلیاں ڈال کر اُسے ایسا پکڑیں کہ وہ چھوٹ نہ سکے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے دامن کو پانچوں انگلیوں کے ساتھ ایسا پکڑے کہ کسی وقت اور کسی حال میں بھی وہ چھوٹنے نہ پائے اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال کی اقتدا کرتا ہے، کیونکہ دین کو جیسا انہوں نے سمجھا دوسرا کوئی سمجھا نہ کوئی سمجھ سکے گا۔

حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ردن است و انگلیوں کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنا ان
اقتدار باآثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کردن است کو پکڑ لینا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے آثار کی اقتدار کرنا ہے اور ہمارے
اس طریقہ میں تھوڑے عمل کے ساتھ فتوح اور کشائش زیادہ ہے۔
لیکن سنّت کی متابعت کی نگہداشت وحفاظت اور ہمہ وقت سنّت کی اتباع کا خیال رکھنا بڑا کام ہے۔ جو کوئی ہمارے
اس طریقہ سے روگردانی کرتا ہے یعنی مُنہ پھیرتا ہے اس کے دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طالب
کو چاہیئے کہ جس زمانہ میں حق تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی دوست کی صحبت میں رہتا ہوا اپنے حال کا واقف رہے اور
صحبت کے زمانہ کا گزشتہ زمانہ سے موازنہ کرتا رہے۔ اگر ترقی پاوے تو اَصَبْتَ[1] فَالْزِمْ کے حکم کے مطابق اس بزرگ کی صحبت
کو غنیمت جانے۔
اور آپ نے فرمایا ہے کہ لَا اِلٰہ میں طبیعت اور خواہش کے الٰہ کی نفی ہے[2]۔ اِلَّا اللّٰہ میں حق جلّ جلالہٗ کے ساتھ معبود
کا اثبات ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ خود کو فاتّبعُونی کے مقام میں لے آتا ہے۔ مقصود ذکر یہ ہے کہ ذکر کرنے والا کلمہ توحید کی
حقیقت تک پہنچ جائے اور حقیقت کلمہ یہ ہے کہ کلمہ کہنے سے ماسوا اللہ کی پوری طرح نفی ہو جاوے۔ بہت کہنا
شرط نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ذاکر کے دل میں غیر خداوند تعالیٰ کا وجود باقی نہ رہے۔ زیادہ تعداد میں کلمہ کا ذکر کرنا شرط
نہیں ہے، بلکہ دل کو غیر خدا سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اور فرماتے تھے کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ والغفران نے کہا ہے

---

[1] تو راستہ کے اوپر پہونچ گیا ہے۔ پس اسے ہرگز نہ چھوڑنا۔ یہ ایک حدیث کا حصہ ہے جو جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا حال سُن کر فرمایا تھا۔ پورا حال کتاب الامکان فی الاسلام میں لکھا ہوا ہے۔ تفصیل درکار ہو تو وہاں پڑھیں۔ [2] طبیعت کے خداؤں سے مراد طبیعت کے تقاضے ہیں کہ آدمی کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ طبیعت کے خداؤں کی نفی سے مراد ان کی صفت تصرّف وجذب کی نفی ہے یعنی طبیعت کے خداؤں یعنی اس کے تقاضوں میں طبیعت کے مائل ہونے اور تصرّف کرنے سے روکنا ہے اور اِلَّا اللّٰہ سے مراد اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف دل کی ایسی کشش ہے کہ اس میں غیر حق سبحانہٗ کی طرف نہ رغبت رہے نہ کشش رہے۔ محمد رسول اللہ سے مراد خود کو فاتّبعُونی کے مقام پر لانا ہے۔ یعنی اپنے آپ کو آنحضرت کی اطاعت وفرمانبرداری میں لانا ہے۔ کلمہ توحید کا قبول کرنا آپ کے احکام میں سے ایک حکم کی تعمیل ہے کیونکہ جو شخص کلمہ کے مضمون کو آپ کے حکم کے مطابق قبول نہیں کرے وہ شخص آپ پر ایمان لانے والا نہ ہوگا اور محض عقلی دلیل کام نہ دے گی۔ پس اس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دیکھنا اور اس کا لحاظ رکھنا اور خود کو آپ کے انقیاد کے مقام پر رکھنا ایمان کی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے۔ اس بنا پر کہ خیر کے آثار کا مرتب ہونا یعنی جمع ہونا اور ظہور تام تسلیم وانقیاد پر موقوف ہے نہ کہ عقل اور اسی طرح دوسری چیزوں تجربات ومشاہدات پر۔

کہ زمین اس جماعت کی نظر میں مثل دسترخوان کے ہے اور ہم کہتے ہیں وہ ناخن کی برابر ہے۔ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔ اور فرماتے تھے ؛

بسر توحید می تواں رسیدن امّا بسر معرفت رسیدن دشوار است۔	توحید کی انتہا تک پہنچنا ممکن ہے۔ لیکن معرفت کی انتہا کو پہونچنا دشوار ہے[1]۔

حضرت خواجہ جس وقت سفر مبارک پر حج کے لیے تشریف لے گئے۔ خراسان کے ایک بزرگ زادہ کو ذکر کی تعلیم فرمائی جب حج سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ لوگوں نے کہا، فلاں آدمی نے جو ذکر کا سبق لیا تھا۔ اس کی تعداد میں اس نے کمی کر دی۔ فرمایا، "کوئی ڈر نہیں"۔ پھر اس سے پوچھا، کیا کبھی تو نے ہمیں خواب میں دیکھا۔ اس نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا، یہی کافی ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کسی کو ان حضرات سے تھوڑا سا بھی رابطہ[2] ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ آخر کار ان سے ملحق ہوگا۔ اور یہ رابطہ اس کے لیے سببِ نجات اور سبب بلندی درجات بن جائے گا۔ ایک آدمی حضرت خواجہ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا، فلاں آدمی بیمار ہے۔ آپ کی دلی توجہ شریف کا سائل ہے۔ فرمایا ؛

اوّل بازگشت خاطر خستہ می باید آنکہ توجہ خاطر شکستہ۔	پہلے تو ماجرا منہ رجوع چاہیئے پھر خاطر شکستہ کی توجہ۔

لوگوں نے حضرت والا سے کرامت دیکھنے کی درخواست کی تو فرمایا، ہماری کرامت ظاہر ہے کہ باوجود گناہوں کے اتنے بوجھ کے ہم زمین پر چل سکتے ہیں اور فرماتے تھے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم آپ کے جنازہ کے آگے کونسی آیات پڑھیں۔ فرمایا۔ آیات کا پڑھنا بڑا کام ہے۔ یہ بیت پڑھو ؎

---

[1] کیونکہ توحید کی انتہا مجرد حق سبحانہ سے دل کا فارغ ہو جانا ہے اور معرفت کی انتہا سے مراد معرفت تفصیلی ہے اور اس میں شک نہیں کہ توحید کی نہایت کو پا سکتا ہے، لیکن دوسری یعنی معرفت تفصیلی کو کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اس بنا پر کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ شعر

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرچہ بروے مے رسی بروے مایست

اے بھائی! اللہ کی معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ تم معرفت کے مقام پر جتنا پہنچو گے یہ سمجھو کہ ابھی پہونچے ہی نہیں۔ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ

[2] رابطہ کا مطلب پیر سے مناسبت اور اس کے ساتھ دل کا جڑ جانا ہے۔ جو خوش قسمت مرید کو اپنے پیر سے ہو جاتا ہے۔

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

ترجمہ:۔ سارے جہان میں اس سے اچھا کون سا کام ہے کہ دوست دوست کے نزدیک پہونچ جاوے اور یار یار کے قریب چلا جاوے۔

پھر خواجہ نے فرمایا، ہمارے جنازہ کے آگے یہ بیت پڑھو ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہِ از جمال روئے تو

ترجمہ:۔ ہم تیرے کوچے میں مفلس ہو کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنے رُخ انور کے جمال کا کچھ حصہ عطا فرما۔

حضرت مولانا جلال الدین خالدی سے پوچھا کہ خواجہ بہاء الدین کا طریقہ اور اُن کے سلوک کی نسبت متاخرین مشائخ میں سے کس کے طریقہ سے مناسبت رکھتی ہے۔ فرمایا، ان سے پہلوں کی بات کہو۔ وہ کمال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ جس قسم کی ولایت کے آثار حضرت خواجہ بہاؤ الدین پر اللہ کی عنایت سے ظاہر ہوئے ہیں پچھلے مشائخ طریقت میں کسی پر بھی ظاہر نہیں ہوئے۔

شیخ قطب الدین نامی ایک بزرگ خواجہ کے اصحاب میں سے خراسان تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے۔ میں چھوٹی عمر میں تھا حضرت خواجہ نے مجھے فرمایا، فلاں کبوتر خانہ میں جا کر کچھ کبوتر وہاں سے لے آ۔ جب میں کبوتر لے کر آیا، تو دل چاہا کہ ایک کبوتر زندہ رکھ لوں۔ میں اس کبوتر کو خواجہ کے حضور میں نہ لایا۔ جب کبوتر پک گئے اور حاضرین پر حضرت خواجہ نے تقسیم فرمائے تو مجھے کبوتر نہ دیا اور فرمایا، فلاں شخص نے اپنا حصہ زندہ لے لیا ہے۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطّار قدس اللہ سرہٗ

المتوفیٰ ۲۰، رجب ۸۰۲ھ۔ ان کا نام محمد بن محمد البخاری ہے۔ خواجہ بہاء الدین کے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔ حضرت خواجہ نے اپنی زندگی میں طالبین کی تربیت کو اُن کے سپرد فرمایا تھا اور آپ فرمایا کرتے تھے،

علاؤ الدین خیلے بار برما سبک کرد واست
علاء الدین نے ہمارا بہت بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

اور یقیناً ولایت کے انوار و نشانات ان سے پورے پورے اور کامل طور پر ہمیشہ ظاہر ہوتے رہے۔ اور اُن کی حسن تربیت اور صحبت کی برکت سے بہت سے طالبان (خداوند تعالیٰ) بُعد اور نقصان کے درجہ سے قُرب و کمال کی درگاہ تک پہنچے اور تکمیل و اکمال کا مرتبہ پا گئے۔ؔ

ؔ دوسروں کو کامل کرنے کا مقام پا گئے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقام ہے جسے حالی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس فقیر[3] نے بعض حضرات سے سنا ہے کہ قدوۃ العلماء واسوۃ الکبراء المدققین، صاحب التصانیف الفائقۃ والتحقیقات الرائقۃ السید الشریف الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے آپ کے اصحاب کے رشتہ میں داخل ہونے اور اُن کے مریدوں کی لڑی میں منسلک ہونے کی توفیق پائی تھی اور حضرت کے خادموں اور ان کی صحبت میں رہنے والوں کے ساتھ پورا پورا نیاز و اخلاص رکھتے تھے۔ بارہا فرمایا کرتے تھے۔ جب تک میں شیخ زین الدین علی وکلا رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں نہیں پہونچا۔ رفض[3] سے نجات نہیں پائی اور جب تک خواجہ عطار قدس سرہٗ کی صحبت سے پیوستہ نہ ہوا۔ خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا۔ خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہٗ کے بعض پاک کلمات جو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحبت کی مجالس میں فرماتے ان کو خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ لکھ لیتے تھے۔ ان میں سے چند ایک کو تبرک اور رہنمائی[1] حاصل کرنے کی غرض سے ذکر کیا جاتا ہے؛

(۱)

وسابقہ عنایت ازلی را مے باید دید واز اُمید واری بآں عنایت بے علّت وطلب آں عنایت لحظہ غافل نمی باید نمود۔

اور سابقہ عنایت ازلی یعنی اللہ تعالیٰ کی پہلی مہربانی کو دیکھنا چاہیئے اور اس بے وجہ مہربانی کی امیدواری اور اس مہربانی کی طلب سے ایک لحظہ بھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔[2]

(گزشتہ سے آگے) در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا — دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کا ہادی کر دیا — کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

[1] یعنی رہنمائی طلب کرنے اور راہ حق معلوم کرنے کی غرض سے۔ [2] قولی فعلی، جانی مالی عبادتوں اور ہر اچھی خصلت کو عنایت سابقہ کا ظہور جانے اور جن اچھے اقوال و افعال کا ظہور ہو اُسے اللہ کے فضل و عنایت کا سبب جانے، تاکہ نیاز مندی اور ذلت و خواری کی صفت جو اس طریقہ کے لیے لازم ہے اس سے جدا نہ ہو جائے، کیونکہ کاموں کے وجود میں آنے کا سبب اگر حق تعالیٰ کے فضل اور اس کی عنایت کو نہ جانے گا تو ان کاموں کے وجود میں آنے کو اپنی طرف سے جانیگا اور اپنی لیاقت کو سمجھیگا اور یہ چیز استغنا و بے نیازی ہے جو اس حال کے منافی ہے اور اسکے برعکس تجلی دائمی فقر اس طریقہ کیلئے لازم ہے۔ مدعا یہ ہے کہ جو اپنی عبادتوں کا سبب اپنی استعداد و صلاحیت کو جانے گا وہ خود کو دیکھے گا، خدا کو نہ دیکھے گا۔ جس کی وجہ سے اس میں استغنا یعنی اللہ سے بے نیازی پیدا ہوگی اور اللہ سے بے نیازی اس راہ میں چلنے والوں کے لیے مہلک اور مانع وصول ہے۔ کیونکہ اس راہ میں ہر وقت اللہ کے آگے نیاز مند رہنا لازم اور ضروری ہے۔

[3] اس فقیر سے مراد کتاب کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن جامی ہیں۔

[3] رفض معنی رافضی ہونے اور دوسرے نسخہ میں رقص ہے اور رقص سے مراد ناچنا ہے۔

واز استغنا، غرور را نگاہ می باید داشت واندک حق سبحانہ وتعالیٰ را بزرگ می باید شمرد وترسان ولرزان باید ازیں ظہور استغنا حقیقی۔

اور استغنا و بے پروائی سے اپنے آپ کو بچاتے رہنا چاہیئے اور حق سبحانہ کی تھوڑی مہربانی کو بڑی شمار کرنی چاہیئے[1] اور استغنا حقیقی کے ظہور سے ڈرتے اور کانپتے رہنا چاہیئے۔

(۲) خاموشی از سہ صفت باید کہ خالی نبود یا نگہداشت خطرات یا مطالعہ ذکر دل کہ گویا گشتہ باشد یا مشاہدہ احوال کہ بر دل گذرد۔

خاموشی تین صفتوں سے خالی نہ رہنی چاہیئے یا تو اس خاموشی کی وقت خطرات کی نگہداشت ہو یا دل کے ذکر کا مطالعہ کہ گویا دل ذکر بنا ہے یا دل پر جو حالات گذرتے ہیں ان کا مشاہدہ کرتا رہے۔[2]

(۳) وخطرات موانع نبود احتراز از آں دشوار باشد ما فقیر طلبی کہ مدت بیست سال در نفی آں بودیم۔ ناگاہ بر نسبت خطرہ گذشت لا قرار نیافت خطرات را منع کردن کار قویست و بعضے بر آنند کہ خطرات را اعتباری نیست اما نباید گذاشت تا تمکن گردد کہ بہ تمکن آں سُدّہ در مجاری فیض پدید آید بنا بریں از تفتیش احوال باطن باید بود۔ و خود را نفس زدن تہی کردن ظاہراً بامر مرشد در حضور یا غیبت برائے نفی خطرات ست کہ تمکن یافتہ است در باطن و سبب آں اینست کہ ہر معنیٰ در لباس صورتے بود۔ بہر وقت خود را بنفس زدن از خطرات موانع کہ تمکن

اور خطرات مانع نہیں۔ ان سے بچنا دشوار ہے۔ بقدر طاقت بشری ہم ان خطرات کو دور کرنے میں بیس سال تک مصروف رہے۔ پھر بھی اچانک نسبت پر خطرہ گذرا لیکن ٹھہرا نہیں (آیا اور چلا گیا) خطرات کا روکنا کہ بالکل نہ آئیں قوت والے کا کام ہے اور بعضے اس پر ہیں کہ خطرات کا اعتبار نہیں، ہاں ان کو چھوڑنا نہ چاہیئے۔ انھیں جمنے نہ دینی چاہیئے کہ وہ ٹھہر جائیں کیونکہ انکے ٹھہرنے سے فیض کی نالیوں میں سدہ اور گرہ پڑ جاتی ہے۔ اس بنا پر ہمیشہ باطن کے حالات کا نگراں اور ان حالات کے تجسس اور تلاش میں رہنا چاہیئے اور مرشد کے ارشاد کے مطابق سانس نکالنے کیساتھ خود کو خالی بظاہر اس لیے ہے کہ حضور یا غیبت میں ان خطرات و فکرات اور اندیشوں کی نفی ہو جائے جو باطن میں قرار پا چکے ہیں اور اسکا سبب یہ ہے کہ ہر معنی یعنی چھپی ہوئی چیز یا ہر حقیقت کسی صورت کے لباس میں ہوا کرتی

---

[1] یعنی اس طریقہ کی تھوڑی سی توفیق کو بھی بڑی اور قابل قدر جاننا چاہیئے اور اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور ہر وقت خیال کرتے رہنا چاہیئے کہ مجھ ذلیل ترین آدمی کو اللہ تعالیٰ بارگاہ کبریا میں پہونچنے کا راستہ دے رہے ہیں۔ [2] یعنی ذکر کی محافظت کرنا کہ وہ زائل نہ ہونے پائے اور بدستور جاری رہے اور دل کے حالات کا مشاہدہ کرتا رہے نہ کہ ذکر کے اثرات و ثمرات کا۔ [3] خطرات مانع نہ ہوں گے جبکہ وہ دل میں نہ ٹھہریں آئیں اور چلے جائیں۔ خطرات کو ایسا روکنا کہ وہ بالکل نہ آئیں کہ دل پر ان کا گذر نہ ہو، یہ طاقت والے کا کام ہے۔ ان کا نہیں اسطرح پر نہ آنے دے کہ وہ اس کے دل میں اپنی جگہ بنا لیں اور چھوڑ کر جانے کا نام نہ لیں کیونکہ انکا ٹھہرنا اس کی طرف سے ہے لیکن ان کا آنا اس کی طرف سے نہیں ہے [4] ظاہر میں سانس — (باقی آگے)

یافتہ است تجی می باید کرد و در خود رفتن است و از خود رفتن واصل معتبر دریں راہ ایں ست و علامت در خود رفتن از خود رفتن است

ہے ہر وقت ہیں سانس نکالنے کے ساتھ ان خطرات سے جو مالی ہیں اور جو دل میں بیٹھ گئے ہیں اپنے آپ کو خالی کرتے رہنے کو در خود رفتن اور از خود رفتن کہا جاتا ہے۔ اور اس راہ یعنی طریقت میں وہ قاعدہ اور وہ معاملہ جس کا اعتبار اور اعتماد کیا جاتا ہے یہی ہے اور در خود رفتن کی علامت از خود رفتن ہے۔ یعنی اپنے میں چلنے کی علامت اپنے سے جانا یعنی اپنے سے بے خبر ہو جانا ہے۔

(۴) غیبت از خود و حضور با حق سبحانہٗ بقدر عشق ست و نتیجہ عشق و محبت مفرط است۔ عشق ہر کہ بیشتر غیبت او از خود و حضور با معشوق بیشتر۔

اور خود سے غائب اور پوشیدہ ہونا اور حق سبحانہٗ کا حضور اور اس کے سامنے رہنا عشق اور محبت کا نتیجہ ہے جو حد سے گزر گئی ہو۔ جس کا عشق جتنا زیادہ ہوگا اپنے سے اس کی غیبت زیادہ ہوگی اور معشوق حق کے ساتھ اس کا حضور زیادہ ہوگا۔

---

(۵) چوں ملک و ملکوت بر طالب پوشیدہ شود و فراموش گردد فنا بود۔

جب طالب پر یہ جہان اور وہ جہان اور ان کے تصرفات پوشیدہ ہو جائیں اور فراموش ہو جائیں۔ تو یہ فنا ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نکالنا مرشد کے حکم اور ہدایت سے چاہیے اس بنا پر کہ یہ نوع تلقین ہے۔ از خود کرنی نہیں۔ ۵ نفی خواطر، خیالات کے دُور کرنے کے لیے سانس کو کیوں نکالنا چاہیے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جس طرح بے دیکھی چیز کی کوئی مناسب صورت ہوتی ہے کہ اس معنی کی تحصیل میں بطریق سہولت صورت کو دخل ہے۔ پس سانس کے نکالنے کے لیے جو خواطر و خیالات دور کرنے کی صورت ہے نفی خواطر کی تحصیل میں بطریق سہولت ایک طرح کی رسائی ہے اور خواطر کو دور کرنے میں کامیابی پانے کے لیے سہولت کے ساتھ ایک تصرف ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱ اور در خود رفتن ہے یعنی اپنے غیر سے غائب ہونا اور اپنے غیر سے کھویا جانا اور گم ہو جانا اور از خود رفتن کے معنی اپنے شعور سے غائب ہو جانا اس طور کہ شعور کا شعور نہ رہے۔ یہ نہیں کہ بالکل شعور نہ رہے۔ اس لیے کہ اپنا شعور علم حضوری کے قبیلے سے ہے اور آدمی کا اپنے متعلق علم ہونا اس کا عین ہے۔ پس شعور مرتفع نہیں ہو سکتا جیسے کہ آدمی واقع میں مرتفع نہیں ہوتا۔

۲ اور در خود رفتن کی علامت از خود رفتن ہے۔ اس لیے کہ از خود رفتن در خود رفتن کا نتیجہ اور اسی کا اثر ہے اور اثر موجب اور موثر پر عیاں اور دلیل ہے۔

یادداشت :- در خود رفتن اپنے غیر سے غائب ہونے اور اپنے غیر سے دور اور لاتعلق ہو جانے کو کہتے ہیں اور از خود رفتن اپنے اس شعور کے ادراک سے غائب ہو جانے کو کہتے ہیں۔

بقلم خود
محمد عبدالجبار رضا

وچوں ہستی سالک ہم بر سالک پوشیدہ شود۔ فنا فنا بود۔

اور جب سالک کی ہستی سالک پر پوشیدہ ہو جائے تو یہ فنا کی فنا ہوتی ہے۔

بعد از ہر نمازی از پنج بار و بعد از مذاکرہ علمی بیست بار کلمہ استغفار گفتن مدد است در سعی و توجہ کہ ذکر کردہ شد۔

ہر نماز کے بعد پانچ مرتبہ اور علمی گفتگو اور مسائل کے مذاکرہ کے بعد بیس مرتبہ کلمہ استغفار کہنا اس کوشش و توجہ میں مدد ہے جو ذکر کی گئی۔

(۷) صیقل بر روئے آئینہ باید نہ بر دستہ یا بر پہلو یا بر پُشت فائدہ نہ دہد۔

صیقل یعنی قلعی آئینہ کے رُخ پر کرنی چاہیئے نہ کہ دستہ پر یا پہلو یا پُشت پر، کہ فائدہ نہ دے گا۔

(۸) درین زمان بذکر خفیہ کہ مشغول اند بمعدہ می گویند نہ بدل۔ مقصود بسیار گفتن نیست۔ در یک نفس سہ کرّت گوید لا الہ الا اللہ از طرف راست آغاز کند و بر دل فرود آرد۔ محمد رسول اللہ از جانب بیرون آرد بے مجاہدہ نمی شود پیش از صبح و بعد از نماز شام در خلوت و فراغت از خلق

اس زمانہ میں جو لوگ ذکر خفیہ میں مشغول ہیں وہ معدہ سے کہتے ہیں۔ دل سے نہیں کہتے (یعنی سمجھتے یہ ہیں کہ ہم دل سے ذکر کرتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں وہ معدہ سے ذکر کرتے ہیں) مقصود بہت کہنا نہیں ہے۔ ایک سانس میں تین دفعہ لا الہ الا اللہ اس طرح کہے کہ دائیں طرف سے شروع کرے اور دل پر لائے۔ محمد رسول اللہ بائیں جانب سے نکالے بغیر مجاہدہ اور محنت کے نہیں ہوگا یعنی نفی اثبات کے اس ذکر میں خاص محنت کی ضرورت ہے اور اس کا وقت صبح صادق سے قبل اور نماز مغرب کے بعد ہے، جبکہ خلوت میں ہو اور مخلوق سے علیحدہ ہو کر ہو۔

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ می گوید۔

شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

بیت: صد ہزاران قطرۂ خوں از دل چکید
تا نشان قطرۂ زاں یافتم

جب ایک لاکھ خون کے قطرے دل سے ٹپکے اس
وقت میں نے اُس کے نشان کا ایک قطرہ پایا۔

ھ باین طور کہ اپنے شعور کا شعور بھی نہ رہے اس کو فنا الفنا یعنی فنا پر فنا کہتے ہیں۔

لہ صیقل بر روئے آئینہ باید۔ شیشہ سے مراد قوت مدرکہ ہے یعنی اشیاء کی حقیقت کو سمجھنے اور دریافت کرنے کی قوت ادراک، ذہن یا عقل کو بھی کہتے ہیں اور شیشہ کو چمکانا اور اس کے رُخ پر صیقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قوت مدرکہ ذکر کا اثر قبول کرے اور اس کے اثر قبول کرنے کی نشانی یہ ہے کہ اعضاء پر نشانات و اثرات ظاہر ہونے لگیں۔

ے مراد اس مجاہدہ سے ذکر میں مجاہدہ کرنا ہے نہ کوئی دوسرا مجاہدہ۔

یا در یک نفس نُہ کرّت گوید یا ہژدہ کرت اگر نتیجہ مرتب نشود مجدد از سر گیرد۔

(۹) و از مزارات مشائخ کبار نوّر اللہ ارواحہم زیارت کنندہ بہماں مقدار فیض می تواں گرفت کہ صنعت آں بزرگ را شناختہ است و بہماں صنعت توجہ نمودہ و در آں صنعت در آمدہ، اگرچہ قرب صوری را در زیارت مشاہد متبرکہ آثار بسیار است۔ امّا در حقیقت توجہ بارواح مقدسہ بعد صوری مانع نیست در حدیث نبوی کہ صلّوا علیّ حیثما کنتم بیان و برہان ایں سخن ست ۔ و مشاہدہ صور مثالیہ اہل قبور کم اعتبار دارد بجنب شناختن صنعت ایشاں در آں توجہ و در آں زیارت۔ و با ایں ہمہ خواجہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ روحہ می فرمودند مجاورِ حق سبحانہٗ بودن احق و اولیٰ ست از مجاورت خلق بحق عزّ و جلّ و ایں بیت بر زبان مبارک ایشاں

یا تو ایک سانس میں نو دفعہ یا اٹھارہ دفعہ ہے۔ اگر نتیجہ[۱] نہ نکلے تو از سرِ نو پھر سے شروع کرے۔

اور مشائخ کبار (اللہ تعالیٰ انکی روح کو راحت بخشے) کے مزارات کی زیارت کرنیوالا اسی قدر فیض اور فائدہ حاصل کر سکتا ہے جس قدر اس بزرگ کی صنعت کو پہچانا ہے[۲] اور اس صنعت میں توجہ کی ہو اور اسی صنعت میں ہو کر زیارت کی ہو۔ اگرچہ ظاہری قرب کو مشاہد مزارات متبرکہ کی زیارت میں بڑے اثرات ہوتے ہیں لیکن درحقیقت ارواح مقدسہ کی توجہ کو بعد صوری یعنی قبر سے ظاہراً دوری مانع نہیں۔ حدیث میں جو یہ وارد ہے کہ صلّوا علیّ حیثما کنتم ۔ تم مجھ پر درود بھیجو خواہ تم کہیں ہو۔ اس بات کی مکمل دلیل ہے۔ اور اہل قبور کی مثالی صورتوں کا دیکھنا بمقابلہ ان کی صفات کے پہچاننے کے جو توجہ و زیارت کی حالت میں ہوتی ہے کم معتبر ہے۔ اور ان تمام فائدوں کے باوجود خواجہ بزرگ قدس اللہ تعالیٰ روحہ فرماتے تھے کہ حق سبحانہٗ کا مجاور رہنا زیادہ مناسب ہے[۳] زیادہ بہتر ہے مخلوق کی مجاورت سے حق عز و جل کے ساتھ اور اکثر آپکی

---

[۱] اس ذکر کا نتیجہ بےخودی کی کیفیت میں نکلے گا اور نتیجہ حاصل کر لینے کے بعد خود کو بےخودی میں دے دینا چاہیئے اور اگر نتیجہ نہ دے تو از سرِ نو شروع کرے یعنی ایک سانس کا ذکر اٹھارہ مرتبہ پر پہنچ جائے اور بےخودی کی کیفیت ظاہر نہ ہو تو اس ذکر کو پھر سے شروع کرے یعنی ۱۱ کے عدد پر نہ بڑھا دے بلکہ ایک سے شروع کرے، کیونکہ نتیجہ کا نہ نکلنا ذکر کی شرائط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ از سرِ نو ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب دوبارہ ۱ مرتبہ سے شروع کرے اور تدریجاً تھوڑا تھوڑا کر کے اٹھارہ پر لے جائے۔

[۲] یہ صنعت اس بزرگ کی بطریقہ سلوک کے وہ پہچان ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جب وہ اس بزرگ کی صنعت میں اس کے شریک ہوگا تو اس کو اس صنعت میں ترقی واقع ہوگی اور اس صنعت کا حکم اس میں ظاہر ہوگا اور اسی وجہ سے صفت میں ترقی بہتر ہے صورت مثالی میں روح کے متمثل ہونے سے۔ جیسے کہ کشف یا اہل قبور کی مثالی صورتوں کے مشاہدہ کا اعتبار کم ہے۔

[۳] یعنی جسم سے دور رہ کر دل سے قریب رہنا

بسیار گزشتہ. بیت :

تو تا کے گور مرداں را پرستی
بگرد کار مرداں گر درستی

مقصود از زیارت مشاہد اکابر دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین می باید کہ توجہ با حق سبحانہٗ بود. روح آں برگزیدۂ حق را وسیلۂ کمال توجہ بحق گردانیدن چنانکہ در حال تواضع با خلق باید کہ ہر چند تواضع ظاہراً با خلق بود بحقیقت با حق سبحانہٗ باشد. زیرا کہ تواضع با خلق آنگاہ پسندیدہ افتد کہ خاص مر خدائی را باشد عزو جل بآں معنی کہ ایشاں را مظاہر آثار قدرت و حکمت بیند و الا آں صنعت بود نہ تواضع۔

(۱۰) طریقہ مراقبہ از طریقہ نفی و اثبات اعلیٰ است و اقرب است بجذبہ۔

از طریق مراقبہ بمرتبہ وزارت و تصرف در ملک و ملکوت می تواں رسید و اشراف بر خواطر موھبت و بہ نظر کردن و باطنہا را منور گردانیدن از دوام مراقبہ است۔

زبان مبارک پر یہ بیت گزرتا تھا

ترجمہ: مردوں کی قبروں کو کب تک پوجتا رہے گا۔ مردوں کے کام کے گرد گھوم نجات پائے گا۔

اکابر دین کے مزارات کی زیارت کا مقصد توجہ بحق سبحانہٗ ہونی چاہیئے اور اس برگزیدۂ حق کی روح کو کمال توجہ بحق کا وسیلہ بنانا ہے۔ جیسے مخلوق کے ساتھ تواضع کے حال میں ہونا چاہیئے کہ ہر چند ظاہر میں تواضع مخلوق کے ساتھ ہوتی ہے، مگر حقیقت میں حق سبحانہٗ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ مخلوق کے ساتھ تواضع اس وقت اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہے جب کہ وہ خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہو۔ اس لحاظ سے کہ مخلوق کو اس کی قدرت و حکمت کے آثار و نشان دیکھے اور اس کی قدرت و حکمت کے مظاہر جانے، ورنہ اس کی یہ تواضع بناوٹ اور چاپلوسی ہوگی تواضع نہیں ہوگی۔

مراقبہ کا طریقہ نفی و اثبات کے طریقہ سے اعلیٰ اور جذبہ کے زیادہ قریب ہے۔

طریقۂ مراقبہ[1] سے وزارت اور ملک و ملکوت میں تصرف کرنے کے مرتبہ کو پہونچ سکتا ہے اور خواطر[2] پر مطلع ہونا یعنی دلوں میں جھانکنا اور لوگوں کے خیالات کا معلوم کر لینا مہربانی اور بخشش کی نظر سے دیکھنا اور باطن کو روشن کر دینا مراقبہ کے دوام سے ہے[3]۔

---

[1] مراقبہ کی حقیقت حق کا انتظار ہے اور مراقبات کے بہت طریقے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی یہ خیال پیش نظر رکھے کہ اللہ تم میرے حال کو جانتا ہے اور یہ دھیان رکھتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، یہ بھی مراقبہ ہے، دل کے حال کو دیکھنا کہ اللہ کے ماسوا کوئی چیز اس میں نہ آئے یہ بھی مراقبہ ہے اور اس کے علاوہ اور بھی طریقے ہیں۔ جن کی اہل سلوک تلقین فرماتے ہیں۔

[2] مراقبہ کے طریقہ سے وزارت کے مرتبہ اور ملک و ملکوت یعنی عالم سفلی و علوی میں تصرف کے درجہ کو پہونچ سکتا ہے۔ (۲، ۳، ۵ آگے صفحہ پر دیکھیں)

از ملکۂ مراقبہ دوام جمیعت خاطر و دوام قبول دلہا حاصل است و ایں معنی جمع و قبول نامند۔

ملکۂ مراقبہ سے جمیعت خاطر کا دوام اور دلوں کا دوام قبول حاصل ہے۔ اور دونوں کیفیتوں اور نسبتوں کو مشائخ کرام جمع و قبول کا نام دیتے ہیں۔

عزیزاں را رحمہ اللہ تعالیٰ سوال کردند از ذکر علانیہ فرمودہ اند باجماع علماء در نفس آخیر بلند گفتن و تلقین کردن جائز است۔ درویش را ہر نفسے نفس اخیر ست

خواجہ عزیزان علیؒ سے لوگوں نے ذکر علانیہ (ذکر جہری) کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، آخری سانس میں اونچی آواز سے کہنا اور تلقین کرنا باجماع علماء جائز ہے۔ اور ہر سانس درویش کا آخری سانس ہے۔

وفات: حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز کے بعد بدھ کی شب میں ۲۰ رجب ۸۰۲ھ میں وصال پایا۔ آپ کا روضۂ مطہرہ نوچغانیاں کے گاؤں میں ہے۔

■ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس اللہ سرہ العزیز

ان کا نام محمد بن محمد بن محمود الحافظ البخاری قدس اللہ سرہٗ ہے۔ یہ بھی حضرت خواجہ کلاں قدس اللہ تعالیٰ روحہٗ کے اکابر اصحاب سے ہیں۔ حضرت خواجہ نے اپنے اصحاب کی موجودگی میں انہیں مخاطب کرکے فرمایا، خاندان خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے خلفاء سے جو حق اور جو امانت اس فقیر کو پہونچی ہے۔ نیز فقیر نے جو کچھ اس راستہ میں کمایا ہے وہ امانت بھی تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ جس طرح دینی بھائی مولانا عارف (ریوگری) نے ہم کو سپرد کی تھی۔ قبول کیجیے اور اس امانت کو خلق حق سبحانہٗ کو پہنچانی چاہیے۔ جو لوگ

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) ؎ دلوں کے اندرونی خیالات پر آگاہی کو اشراف کہتے ہیں ؎ بخشش کی نظر کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو کوئی حالت بخشش دینا اور کوئی کمال کسی کو دے دینا۔ ؎ یعنی جو کوئی طریقہ کے مطابق ہر وقت مراقبہ میں رہے گا اس سے مذکورہ کمالات ظاہر ہوں گے۔

؎ یعنی ہمیشہ مراقبہ کی حالت میں رہنے کے اندر جب رسوخ اور پختگی آجاتی ہے تو خود کو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل کو ہمیشہ جمیعت اور یکسوئی رہتی ہے اور سلیم الطبع لوگوں کے دلوں میں اسے ہمیشہ کے لیے قبولیت حاصل ہوجاتی ہے اور اس کیفیت کو جمع اور قبول کہتے ہیں۔ ملکہ انسان کی وہ کیفیت راسخہ ہے جو اس سے جُدا نہ ہو۔ اگر کوئی کیفیت آتی ہے اور چلی جاتی ہے تو اس کو حال کہتے ہیں۔ مسکین نے اپنے ہوش میں اس نسبت سے مالا مال جن بزرگوں کی زیارت کی ہے وہ یہ ہیں: (۱) حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی (۲) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۳) اپنے شیخ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی (۴) اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری (۵) اور اپنے قبلہ حضرت مولانا عبد الغفور العباسی المدنی نور اللہ مرقدہم اور موجودہ وقت میں اپنے استاد حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث مہاجر مدنی قدس اللہ سرہٗ

؎ جمیعت خاطر یہ ہے کہ دل کو یکسوئی حاصل رہے۔ اس پر وساوس و خیالات کا ہجوم ہو اور نہ تشرد ہو۔ اور دلوں کا دوام قبول یہ ہے کہ جو

محمد پارسا نے تواضع کی اور قبول کیا۔ خواجہ بزرگ نے اپنی آخری بیماری کے ایام میں اپنے احباب کی موجودگی میں جب کہ خواجہ پارسا اس مجلس میں موجود نہ تھے، تواضعاً یعنی کسرِ نفسی سے فرمایا، ہمارے ظہور کا مقصد اس کا وجود ہے۔ میں نے طریقۂ جذب اور طریقۂ سلوک دونوں میں اس کی تربیت کی ہے۔ اگر وہ مشغول رہے گا یعنی سلسلہ کی خدمت کرتا رہے گا تو ایک جہان اس سے منور اور روشن ہوگا اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور موقع پر نظرِ کرم سے خواجہ محمد پارسا کو صفتِ برخ[1] عنایت فرمائی اور برخ رضی اللہ عنہ کا قصہ کتاب "قوت القلوب" میں مذکور ہے۔ اور دوسرے موقع پر آپ نے اُن کو نظرِ کرم کے ساتھ نفس[2] بخش دیا۔ یہاں تک کہ جو کچھ وہ کہہ دیتے تھے وہ ہو جاتا تھا ایک اور موقع پر خواجہ بزرگ نے یہ فرمایا، جو کچھ یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے صحیح حدیث "إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهُ لَأَبَرَّهُ" کے قاعدہ پر یعنی

عفو خدا بیشتر از جرم ماست
خدا کی بخشش، ہمارے گناہوں سے زیادہ ہے

نکتۂ سربستہ چہ گوئی خموش
پوشیدہ نکتہ، کیوں بتاتا ہے، چپ رہ

دہ روزہ مہرِ گردوں افسانہ ایست و افسوں
زمانہ کی دس روزہ محبت افسانہ اور طلسم ہے

نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا
اے دوست، دوستوں کے ساتھ نیکی کو غنیمت سمجھ

چہ فرصتہا کہ گم کردم دریں راہ
کس قدر مواقع ہیں جو میں نے اس راہ میں کھو دیئے

زبختِ خوابناکِ غافلِ خویش
اپنے خوابیدہ، غافل نصیب کی وجہ سے

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف ست
دونوں جہان کی راحت ان دو حرفوں کی تفسیر ہے

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا
دوستوں کے ساتھ مہربانی، دشمنوں کے ساتھ مدارات

---

[1] صفت برخ کا مطلب یہ ہے کہ برخ ایک مستجاب الدعوات آدمی تھا۔ اس کی صفت سے مراد یہ ہے کہ اس کی دعا بھی اسی طرح قبول ہو جایا کرے گی جس طرح برخ کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔

[2] نفس سے مراد سانس اور طریقہ و طرز کے معنی بھی کرتے ہیں۔ یعنی حضرت شیخ نے خواجہ پارسا کو وہ سانس یا وہ طریقہ بخش دیا کہ اُن کی زبان سے جو نکلے پورا ہو جاوے۔

خداوند تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ کسی کام میں خداوند تعالیٰ کو قسم دیں[1] تو اللہ سبحانہ اس کی قسم کو سچا کر دیتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی کہہ یہ نہیں کہتا۔ اور حضرت خواجہ نے ایک اور موقعہ پر اُن کو ذکر خفیہ کی تلقین فرمائی اور حضرت خواجہ نے فرمایا، آداب طریقت کے حقائق اور دقائق جو بھی تم جانتے ہو اُن کے بموجب تم کو عمل کرنے اور دوسروں کو تعلیم دینے کی اجازت دیتا ہوں اور اس کے علاوہ خواجہ بزرگ نے ان کو جو کرامتیں بخشی ہیں نہ وہ گنی جائیں گی نہ اُن کا احاطہ ہو سکے گا۔

حضرت خواجہ محمد پارسا جب محرم ۸۲۲ھ میں بیت اللہ الحرام کے طواف اور اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی نیت کر کے بخارا سے باہر آئے اور زیارت متبرکہ کی تلاش و تحقیق کے لیے نسف کے راستہ سے صغانیان، بلخ، ترمذ، ہرات کیلئے روانہ ہوئے تو سب جگہ کے سادات اور مشائخ اور علماء نے آپ کی تشریف لانے کو غنیمت شمار کیا اور پورے اکرام و اعزاز کے ساتھ اُن سب نے ملاقات کی۔ خیال میں آتا ہے کہ حضرت خواجہ محمد پارسا جب جام کی ولایت سے گزرے اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ وقت سال ۸۲۲ھ کی جمادی الاوّل کی آخری تاریخیں ہوں گی یا جمادی الآخر کی پہلی تاریخیں۔ اس فقیر[2] کے والد نیازمندوں مخلصوں کی کثیر جماعت کے ساتھ آنحضرت کی زیارت کے لیے باہر آ گئے تھے اور اس وقت میری عمر پانچ سال کی پوری نہ ہوئی ہوگی۔ میرے والد نے اپنے متعلقین میں سے ایک شخص کو کہا کہ مجھے کندھے پر بٹھا کر آپ کی اس ڈولی کے سامنے رکھیں۔ جس کے چاروں کھونٹیں انوار سے روشن ہو رہی تھیں۔ ڈولی کے چاروں کونے ذکر الٰہی کے انوار سے منور تھے) حضرت نے مجھ پر التفات فرمایا اور ایک سیر کرمانی مصری عطا فرمائی اور آج اس واقعہ کو ساٹھ سال ہو چکے ہیں۔ اب تک آپ کے رُخ انور کی روشنی اور چمک میری آنکھوں میں ہے اور دیدار مبارک کی لذت میرے دل میں موجود ہے اور یقیناً خاندان خواجگان قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کے متعلق اس فقیر کا اخلاص و اعتقاد اور ارادت و محبت کا جو رابطہ یعنی دلی تعلق موجود ہے وہ حضرت والاشان کی نظر مبارک کی برکت سے ہوا ہوگا۔ اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور اُس کے احسان سے اس رابطہ کی برکت سے قیامت کے دن ان حضرات سے محبت کرنے اور اُن سے اخلاص رکھنے والوں کے زمرہ میں اٹھایا جاؤں گا اور جب حضرت والا نیشاپور پہنچے تو ہوا کی حرارت اور راستہ کے خوف کی وجہ سے اصحاب کے درمیان باتیں ہونے لگیں اور ہم سفر یعنی ساتھیوں کے ارادہ میں کچھ فتور (کم ہمتی) واقع ہو گئی، تو حضرت والا

---

[1] حق تعالیٰ کو قسم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تیرے حق کی قسم تو یہ کام کر دے یا اس مہم مقصد اور مشکل کی کفایت کر تو اللہ تعالیٰ اس کی اس مہم کی کفایت کرتا ہے اور اس کا کام بنا دیتا ہے۔

[2] فقیر سے مراد حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس اللہ سرہ ہیں۔

سلے مولانا جلال الدین رُومی کے دیوان کو فال کے لیے کھولا تو یہ اشعار نکلے۔ بیت

روید اے عاشقاں بحق باقبال

رواں باشید ہمچو مہ بسوئے برجِ مسعودی

مبارک باد تا ایں رہ بہ توفیق و امان اللہ

بہر شہرے و ہر جائے بہر دشتے کہ پیمودی

ترجمہ:۔ اے حق کے عاشقو! ابدی خوش بختی کے ساتھ سفر کے لیے روانہ ہو۔ چلتے رہو جیسے کہ چاند بُرجِ مسعودی میں چلتا ہے۔ آپ لوگوں کو یہ راہ مبارک ہو۔ ہر شہر اور ہر جگہ اور ہر جنگل کو اللہ کی امان اور توفیق کے ساتھ قطع کرو۔

اور یہاں سے اہلِ بخارا کے لیے یہ خط لکھایا :

باسمہٖ سبحانہٗ ۔ جس دن یہ خط لکھا گیا۔ وہ جمادی الآخر کی گیارہ تاریخ ۱۲۴۳ھ اور وہ دن ہے جس میں صحت و سلامتی و سکون و مسرتوں کے حال میں اور اللہ ذکرہٗ کے فضل و اکرام پر پورے اعتماد اور فضل لا متناہی کے فیضان پر حسبِ اشارات و بشارات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فال لیتے اور جانور اُڑنے پر بدفالی و شگون نہ لیتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، کہ نبوت میں سے میرے بعد سوائے بشرات کے جن کو مومن دیکھے گا یا اس کو دکھایا جائے گا اور کچھ باقی نہیں رہے گا۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے، یعنی اسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے۔ قوتِ قلب اور قوتِ یقین کے ساتھ میں نیشا پور سے نکل رہا ہوں۔ مسلمانوں کے سارے شہر آفتوں، بلاؤں اور خطروں سے محفوظ رہیں۔

لہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَلُ وَلَا يَتَطَيَّرُ ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فال لے لیتے تھے اور پرندہ کے اُڑنے پر شگون نہ لیتے تھے کہ کسی چیز کو منحوس خیال کریں۔ جیسے بعض عرب بعض جانوروں کے اُڑنے کو منحوس خیال کرتے تھے۔

ٹہ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ يَرَاهَا الْمُؤْمِنُ اَوْ يُرٰى لَهٗ وَهٰذَا حَدِيْثٌ مُتَّفَقٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ ۔

(اور اس حدیث کی صحت پر محدثین متفق ہیں)

شعر:- یا نبی الھدیٰ حدیثک غوثی
و اعتصامی ببابکم و التجائی

ترجمہ:- اے ہدایت کے پیغمبر آپ کی صحیح حدیث میری فریاد رس ہے۔ اور آپ کی چوکھٹ پر میرا اعتصام¹ ہے اور آپ کا دروازہ میری اُمیدوں اور آرزؤں کی جگہ ہے۔

اور جب صحت، عافیت، سلامتی اور خوشحالی کیساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور ارکانِ حج پورے کر چکے تو حضرت خواجہ ایسے بیمار ہوگئے کہ طواف وداع ڈولی میں بیٹھ کر کیا۔ پھر یہاں سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں اپنے ہمراہیوں کو طلب فرمایا اور یہ لکھوایا۔²

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفتہ کے دن تاریخ ۱۹ ذی الحج ۸۲۲ھ چاشت کے وقت جب ہم مکہ مکرمہ سے (اللہ تعالیٰ اس کی قدر کو بڑھائے اور اس کی برکتوں میں اضافہ عطا فرمائے) فارغ ہو کر واپس آرہے تھے اور ہم قافلہ کے ساتھ چل رہے تھے۔ میں سونے اور جاگنے کی حالت میں تھا۔ سید الطائفہ جنید قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ میرے پاس آئے۔ پھر اُنہوں نے (اللہ تعالیٰ اُن سے راضی رہے) اپنی بشارت اور زیارت کے حال میں کہا، اَلْقَصْدُ مَقْبُوْلٌ۔ تیرے حج کا قصد قبول کر لیا گیا ہے۔ یعنی جس نیت کے ساتھ تو حج کے لیے روانہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو قبول کر لیا ہے۔ مَیں نے اُس کی بات کو یاد کر لیا اور مجھے اس سے خوشی ہوئی۔ پھر میں اس حالت سے (جو سونے اور جاگنے کے درمیان تھی) ہوشیار ہو گیا۔ اس حال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں۔ اور ان کلمات کے بعد کچھ اور کلمے بھی عربی میں تحریر کرائے جن کا ترجمہ یہ ہے یہ ایک کلمہ جو سید الطائفہ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے۔ یہ کلمہ جامع بھی ہے (یعنی سب کو جمع کرنے والا ہے) اور کامل بھی ہے اور ایسی خوشخبری ہے، جو ہم کو، ہماری اولاد کو، ہمارے اصحاب و احباب، حاضر و غائب سب کو شامل ہے۔ اس لیے کہ ہمارا مقصد اور میری نیت مشاعرِ عظام³ اور اُن دعاؤں میں جو ہر موقف⁴ اور ہر مقام میں کی گئیں ہیں۔ سب کی دینی و دنیاوی مصلحتیں اور

---

¹ کسی کے پلّہ کو مضبوط پکڑ لینے کو اعتصام کہتے ہیں اور التجا کے معنی آرزو اور امید کے ہیں۔

² اصل مضمون عربی میں ہے۔ فقیر نے اس کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔ شائقین اصل عبارت کو نفحات الانس میں حضرت خواجہ محمد پارسا کے عنوان میں مطالعہ فرمائیں۔ ³ مشاعرِ عظام حاجیوں کی قربانیوں اور عبادات کے تمام جگہیں مثلاً منیٰ، مزدلفہ۔ ⁴ موقف ٹھہرنے کی جگہ یعنی عرفات کا میدان جو کہ مکہ سے ۹ کوس پر ہے۔

بھلائیاں تھیں اور وہ قصد اس بشارت کے لانے سے قبول کے ساتھ پیوستہ ہو چکا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ طَیِّبًا مُبَارَکًا یُوَافِیْ نِعَمَہٗ وَیُکَافِیْ مَزِیْدَہٗ[1] اور بدھ کے روز ۲۲ ذالحج کو مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بشارتیں اور خوش خبریاں پائیں اور لکھے ہوئے اس مسودہ کو طلب فرمایا، تاکہ اس میں اضافہ کریں۔ جب مطالعہ فرما چکے تو فرمایا، وہی ہیں۔ مزید اور کچھ نہیں لکھایا اور جمعرات کے دن رحمتِ حق کی ہمسائیگی میں پہونچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مولانا شمس الدین فناری رومی اور قافلہ والوں اور اہلِ مدینہ نے حضرت پر نمازِ جنازہ گزاری اور جمعہ کی شب میں اس منزلِ مبارک میں نزول فرما رہے۔ جس میں مقیم تھے۔ پھر امیر المؤمنین حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قُبّۂ شریفہ کے قریب میں حضرت والا کو دفن کیا گیا۔ اور جناب زین الدین الخوافی رحمۃ اللہ تعالیٰ مصر سے ایک سفید پتھر بنوا کر لائے اور اس کو حضرت کی قبر کی لوح بنا دیا۔ تاکہ اس پتھر کے ساتھ آپ کی قبرِ مبارک دُوسری قبور سے نمایاں اور ممتاز رہے۔ خواجہ محمد پارسا کے صاحبزادہ خواجہ برہان الدین ابو نصر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص معتبر آدمی نے خواجہ ابو نصر کے حوالہ سے یہ بیان کیا کہ خواجہ برہان الدین ابو نصر نے یہ فرمایا، جس وقت میرے حضرت والا وفات پا رہے تھے۔ مَیں اُن کے سرہانے موجود تھا۔ جب حاضر ہوا۔ اُن کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا، تاکہ زیارت کروں۔ حضرت خواجہ نے آنکھیں کھولیں اور تبسم فرمایا، میری بے چینی اور بے قراری زیادہ ہو گئی۔ مَیں حضرت کے قدموں کی طرف آیا۔ اپنا مُنہ آپ کے کفِ پا یعنی تلوؤں پر رکھا، تو اُنھوں نے اپنا پاؤں اُوپر کو کھینچ لیا۔ اور جب اکابرِ عجم میں سے بعض اکابر[2] کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں انتقال فرمایا، تو اُس نے یہ کہا:۔ ہم آنجا بالید کہ از اینجا تا زید[3] اُسی جگہ بارا جہاں سے روڑا۔

حضرت خواجہ کے مریدوں و معتقدوں میں سے ایک مرید کہتا ہے کہ جب حضرت خواجہ نے حجاز کا عزم فرمایا، تو وداع کے وقت میں نے کہا، "خواجہ شما رفتید؛ فرمودند۔ رفتیم۔ رفتیم: حضرت آپ جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا، ہم چلے، ہم گئے۔

---

[1] اور تعریف اللہ کے لیے ہے ایسی تعریف جو پاکیزہ ہو۔ برکت والی ہو اور اس کی ساری نعمتوں کو شامل ہو جاوے اور اس کی مزید نعمتوں کی مکافات کر دے۔ [2] بعض اکابرِ عجم سے مُراد سیّد نعمت اللہ رحمۃ اللہ ہیں۔

[3] بازید یائے معروف کے ساتھ، پاؤں پھیلائے یعنی اُس نے وہاں پیر لیا ہے۔ جہاں سے اُس نے دوڑ لگائی، یعنی جس کی نسبت سے چمکا۔ ان کے پاس جاکر روپوشی ہو گیا۔

حضرت خواجہ قدس اللہ روحہٗ کے وہ قیمتی اور بابرکت ارشادات جو اُنہوں نے اپنے کسی مُرید کو لکھے تھے:

این فقیر دائماً نگران احوال ظاہری و باطنی شما می باشد و علی الدوام بہ نسبت آں برادر منتظر نظرات بے علت الٰہی می بود۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہٗ فرمودہ است: اِنْ بَدَتْ عَیْنٌ مِنَ الْکَرَمِ اَلْحَقَتِ السَّابِقِیْنَ[1] بِالاحِقِیْنَ

یہ فقیر تمہارے ظاہری و باطنی حالات کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا ہے اور بھائی ہمیشہ آپ کی بابت خداوند تعالیٰ کی بلاوجہ اور بے سبب عنایات کا منتظر رہتا ہے۔ سید الطائفہ جنید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے اگر کرم والے کی نظرِ کرم ظاہر ہو جاوے تو پیچھے آنے والوں کو پہلے والوں کے ساتھ ملا دیتی ہے[1]

اور اس کے باوجود بزرگانِ دین کے نزدیک اصل معتبر اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کوشش کو نہ چھوڑے اور اُس کی عنایات کا منتظر رہے۔ اور اس کے کرم کا اُمیدوار رہے۔

اور ہمارے حضرت خواجہ قدس اللہ روحہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ:

طریقت بچہ توان یافت گفت بہ تشرع بَعْدَ الْمُحَافَظَۃِ عَلَی الْاَمْرِ الْوَسَطِ فِی الطَّعَامِ لَا فَوْقَ الشِّبَعِ وَلَا الْجُوْعِ الْمُفْرِطِ

طریقت کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا، باشرع بننے سے یعنی شرع کے احکام کی تعمیل کرنے کے بعد۔ امرِ الٰہی کی حفاظت و اہتمام کے بعد اہم چیز یہ ہے کہ کھانے میں طریق وسط یعنی میانہ روی کو پیشِ نظر رکھے۔ نہ بھوک سے زیادہ کھائے اور نہ زیادہ بھوکا رہے[2]۔ اور اعتدالِ مزاج کے مطابق[3] سونے کو کم کرنے کی کوشش

---

[1] سابقین سابق کی جمع ہے جس کے معنی پیچھے رہنے والا۔ لاحقین لاحق کی جمع جو پہلے سے ملے ہوتے ہوں۔ جیسے مسبوق اس نمازی کو کہتے ہیں جو نماز کی ایک رکعت یا زیادہ کے بعد شریکِ نماز ہو اور لاحق اس نمازی کو کہتے ہیں جس نے امام کے ساتھ شروع سے نماز پائی ہو مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم کسی پر پڑ جاتی ہے، تو اس کے باوجود اعمال و محنت کے حساب سے وہ پیچھے ہے، اگر اللہ کی نظرِ کرم اس کو ان لوگوں سے ملا دیتی ہے۔ جو اعمال اور محنتیں کر کے اللہ کا قُرب حاصل کر چکے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا خاص بنا لیتا ہے اور اپنی طرف اُس کو راہ دیتا ہے جو اس کی طرف انابت کرتا ہے۔

[2] یعنی نہ بھوک سے زیادہ کھائے، کیونکہ یہ فیض کے راستوں کو بند کر دے گا اور نہ زیادہ بھوکا رہے کہ یہ طبیعت کو ضعیف، مزاج کو کمزور اور مرید کو بے قوت بنا دے گا۔ کہتے ہیں کھانے میں فرشتہ صفت ہونا چاہیئے کہ نہ وہ سیر ہیں نہ بھوکے ہیں۔

[3] یعنی سونے میں اعتدال کے ساتھ کمی کرنا۔ نہ زیادہ سونا نہ زیادہ جاگنا کہ دونوں اس میں نقصان دہ ہیں۔

کرنا۔ علی الخصوص، احیاء بین العشائین "مغرب وعشاء کے درمیان وقت کو اللہ کی یاد میں زندہ رکھنا اور صبح صادق سے پہلے رات کے وقت یادِ الٰہی میں گزارنا، اس طریقہ پر کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو۱ اور خود رفتن میں توجہ کرنا اور نفی خواطر میں خصوصاً حال، ماضی اور مستقبل کے متعلق آرزوؤں کو دل سے دُور رکھنے میں اہتمام کرنا ایک موثر سبب ہے۔ رفع الحجب عن القلب۔ دل سے پردوں کے اُٹھ جانے میں اچھی، موثر اور کامیاب تدبیر ہے۔

"إذا سكت اللسان عن فضول الكلام نطق القلب مع الله سبحانه وإذا نطق اللسان سكت القلب

جب فضول باتوں سے زبان خاموش رہتی ہے تو دل حق سبحانہ کے ساتھ بات کرتا ہے اور جب زبان بولتی ہے، تو دل چُپ رہتا ہے۔

والصمت على قسمين صمتٌ بالقلب عن خواطر الأكوان فمن صمت لسانه ولم يصمت قلبه خفّ وزره، ومن صمت لسانه وقلبه ظهر له سره، وتجلى له ربه عز وجل ومن لم يصمت بلسانه ولا بقلبه كان مملكة للشيطان ومسخرة له أعاذنا الله من ذالك ومن صمت قلبه ولم يصمت بلسانه فهو ناطق بلسان الحكمة ساكت عن فضول الكلام رزقنا الله تعالى ذالك بفضله وكرمه"

اور خاموش رہنا دو قسم پر ہیں۔ ایک زبان کا خاموش رہنا دوسرے دل کا خاموش رہنا مخلوقات کے خیالات وخطرات سے ہے۔ پھر جس آدمی کی زبان خاموش ہو گئی، لیکن اس کا دل خاموش نہیں ہوا، اس کا بوجھ ہلکا ہوا۔ اور جس کی زبان خاموش رہی اور اس کا دل بھی خاموش رہا تو اس پر اس کی حقیقت ظاہر ہو گئی اور اس کا رب عز وجل اس پر تجلی فرمائے گا اور جو شخص نہ اپنی زبان سے خاموش رہا نہ اپنے دل سے، تو وہ شیطان کا محل تصرف اور اسکے تابع ہوگا۔ جیسے وہ نچائے گا ناچے گا اور جو کچھ اُس سے کرانا چاہے گا کرلے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس حال سے بچائے اور اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ اور جس شخص کا دل خاموش رہا، مگر وہ اپنی زبان سے خاموش نہ رہا، تو وہ اپنی زبان سے حکمت کی باتیں بولے گا یعنی دل میں اُترنے والی گفتگو کریگا اور ذہنوں کو بدلنے والا کلام کرے گا۔ فضول اور لغو کلام سے خاموش رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں یہ حال نصیب کرے۔

۱ یعنی کسی کو نہ اس کے شغل کی خبر ہو، نہ عبادت کی، بلکہ رات کی عبادات کو خاص کر چھپانے کی نیت رکھے۔ نیت کے باوجود اگر ظاہر ہو جائے تو نقصان نہیں ہوگا۔

۲ یعنی دل میں یہ خیال آنا کاش! ایسا ہو جائے یا ایسا ہو گیا ہوتا یا آئندہ یہ ہو جائے۔ اس قسم کے خیالات کے آنے سے دل کی حفاظت کرے اگر آتے ہوں تو ٹھہرنے نہ دے۔ اگر ایسا نہ کرے گا یعنی ان خیالات کی روک تھام نہ کرے گا تو دل کے حجابات دُور نہ ہوں گے۔۔ ۳ صوفیاء کی اصطلاح میں دل کا خاموش ہونا یہ ہے کہ اس کے اندر نہ مخلوق کے نقشے رہیں نہ اس کے اندر مخلوق کی طلب رہے، بلکہ اس میں صرف ذات کی یاد اور اس کی طلب وتڑپ موجود ہو۔

حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمہ اللہ تعالیٰ

چرخ غزنین کے دیہات میں سے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضرت مولانا اصل میں اس گاؤں کے رہنے والے تھے۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار کے اصحاب سے ہیں، بلکہ خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کے اصحاب سے ہو گئے ہیں اور خواجہ بزرگ کی وفات کے بعد خواجہ علاء الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچے اور روایت کرنے والے مولانا یعقوب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت مولانا فرماتے تھے۔ میں پہلی مرتبہ خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کی صحبت میں پہنچا، میں نے التماس کیا مجھے قبول کیجئے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا، ما بخودکارے نمی کنیم امشب ببینیم اگر ترا قبول می کنند ما نیز قبول کنیم۔
ہم از خود کوئی کام نہیں کرتے۔ آج رات دیکھیں گے۔ اگر وہ تجھے قبول کرلیتے ہیں۔ ہم بھی قبول کرلیں گے۔

حضرت مولانا یعقوبؒ فرماتے تھے اس رات سے زیادہ سخت مجھ پر کوئی رات کبھی نہیں گزری تھی کہ ساری رات میں اس فکر میں رہا کہ: ایں در بر من بقبول بکشایند یا ز کنند۔ کہ یہ دروازہ مجھ پر قبول کے ساتھ کھولتے ہیں یا بند کردیتے ہیں۔ جب صبح کے وقت حضرت کے سامنے گیا۔ فرمایا کہ اُنھوں نے قبول کرلیا، لیکن تجھے خواجہ علاء الدین کی صحبت میں رہنا ہوگا۔ اس کے بعد میں بدخشاں کے علاقہ میں رہا اور حضرت خواجہ بزرگ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ علاء الدینؒ صغانیاں میں آگئے اور اس مقام کو وطن بنا کر رہنے لگے، پھر اُنھوں نے میرے پاس ایک آدمی بھیجا کہ حضرت خواجہ نے فرمایا تھا کہ تو ہماری صحبت میں رہے گا اور جناب مخدومی ارشاد پناہی (میری ہدایت کی جگہ) خواجہ ناصر الدین عبید اللہ (اللہ تعالیٰ ان کے ارشاد و رہنمائی کے سایوں کو طلب کرنے والوں کے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے) مولانا یعقوب کی صحبت میں پہونچے ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا، میں ہرات میں تھا۔ دل چاہا کہ جناب مولانا یعقوب سے ملوں۔ صغانیاں کے علاقہ کی طرف روانہ ہوا۔ بڑی محنت اور بڑی مشقت سے وہاں پہونچا۔ اور ان کی یعنی خواجہ عبید اللہ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پورا راستہ یا اکثر راستہ اُنھوں نے پیدل طے کیا تھا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جب میں مولانا کی صحبت سے مشرف ہوا تو اُن کے چہرہ پر تھوڑی سی سفیدیؒ تھی جو طبیعت کی نفرت کا موجب ہوتی تھی۔ اس ملاقات میں وہ میرے ساتھ سیاست اور سخت کلامی کے لباس میں ظاہر

---

[1] مُراد حق تعالیٰ تک پہونچنے کا طریقہ بتانا اور اللہ سے ملنے کی تدبیریں کرنا۔

[2] یعنی سفید داغ تھا جسے دیکھ کر مولانا کی طرف کشش و رغبت نہ ہوتی تھی۔

ہوتے اور اتنی سیاست ظاہر کی اور سخت کلامی کی کہ قریب تھا کہ میرا دل اُن سے پھر جاتے اور میری عقیدت کٹ جاتے اور مجھے اُن سے پوری طرح یاس و ناامیدی حاصل ہوئی اور میں بہت محزون و مغموم ہوا۔ جب دُوسری مرتبہ اُن کی مجلس شریف میں پہونچا تو مجھ پر ایسی محبوبی کی صفت میں ظاہر ہوئے کہ میں نے کبھی کسی کو ایسا محبوب نہ دیکھا تھا۔ میرے ساتھ بہت مہربانی اور لُطف سے پیش آئے اور جس وقت حضرت خواجہ یہ باتیں فرما رہے تھے تو وہ اس فقیر کی نظر میں ایک ایسے بزرگ کی صورت میں آگئے جن سے کہ میرا رابطۂ ارادت اور جن سے مجھے بے حد محبت رہی تھی اور کچھ دن ہوئے تھے کہ وہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تھے^{لہ} اور اسی وقت اُنھوں نے اس صورت کا خلع کر دیا یعنی جس بزرگ کی صورت میں آگئے تھے اس کو چھوڑ دیا۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید وہ صورت میرے تصور میں اور خیال میں ہوگی۔ اس کے بعد میں نے ساتھیوں میں سے ایک سے سُنا کہ اُس نے بھی اس کا مشاہدہ کیا تھا اور فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ اس صورت کا چھوڑنا اور اس صورت میں آنا مولانا کے شعور یعنی علم اور اختیار سے تھا اور اس حقیقت کے اثبات کو لوگوں نے حضرت مولانا یعقوب سے نقل کیا ہے۔ سُننے میں یہ آیا ہے کہ حضرت مولانا نے فرمایا ہے۔ جو طالب اللہ کا چاہنے والا کسی عزیز کی صحبت میں آتا ہے اس کو خواجہ عبید اللہ کی طرح آنا چاہیئے کہ ،

چراغ مُہیّا ساختہ و روغن و فتیلہ آمادہ کردہ ہمیں کہ گو گرد سے بہ آں می باید داشت۔

چراغ تیار کیے ہوئے اور روغن اور بتی کو آمادہ کیے ہوئے کہ بس اس میں گندھک رکھنے کی ضرورت پڑے۔ یعنی ماچس دکھلانے اور دیا سے کو روشن کرنے کی ضرورت باقی ہو۔ باقی سب کچھ مرید آمودہ کر کے آوے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا یعقوب اور شیخ زین الدین خوافی، مولانا شہاب الدین سیرانی کے پاس ہم سبق رہے ہیں۔ ایک دن لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ زین الدین واقعات یعنی حالات اور مشکلات کے حل اور خوابوں کی تعبیر میں مشغول رہتے اور اس باب میں پورا اہتمام رکھتے ہیں۔ مَیں نے کہا، ہاں ایسا ہی ہے۔ اس گھڑی وہ اپنے سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا طریقہ یہی تھا کہ گھڑی گھڑی اپنے سے غائب ہو جایا کرتے تھے اور جب حاضر ہوتے یعنی ہوش میں آتے تو یہ بیت پڑھتے تھے ،

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم | نہ شبم نہ شب پرستم | کہ حدیث خواب گویم

لہ مراد مولانا سعد الدین کاشغری قدس سرہٗ ہیں۔ سہ محزون کے معنی غمگین ہونا اور اُداس ہونا مغموم غم رسیدہ اور رنجیدہ ہونا مغموم اور محزون دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔

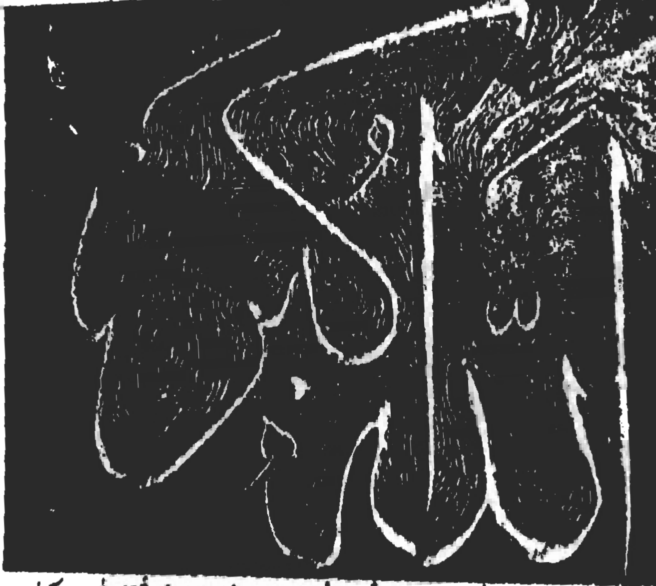

حضرت خواجہ عبید اللہ امامی اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی حضرت خواجہ علاء الدین قدس اللہ روحہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ خواجہ عبید اللہ نے فرمایا، پہلی بار جب میں خواجہ کی صحبت میں پہنچا اُنہوں نے یہ بیت پڑھا ؎

تو ز خود گم شو کمال اینست و بس
تو نماں اصلاً وصال اینست و بس ۔

ترجمہ :- تو اپنے سے گم ہو جا یعنی اپنے سے بے خبر ہو جا کمال یہی ہے۔ تو بالکل نہ رہے یعنی تیری خواہش نہ رہے حق سُبحانہٗ کا وصال یہ ہے۔

حضرت خواجہ موصوف نے اپنے بعض رسائل میں ذکر کیا ہے کہ ان حضرات کی علانیہ توجہ کا طریقہ اور ان کی باطنی نسبت کی پرورش اس طرح ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ اس میں مشغولی اختیار کریں اور اس شخص کی صورت کو جس سے کہ یہ نسبت پائی

لے ضمن میں لے لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یقین نے اس کو بمنزلہ اپنے بعض اجزاء کے سمجھ لیا اور اپنے بدن کے کسی عضو کی مانند فرض کر لیا۔
لہ یعنی جب کوئی شخص بے رنگ ہو جاتا ہے یعنی صاحب حال ہو جاتا ہے تو دوسرے کا حال اس میں سرایت کرتا ہے اور نیرنگی یعنی جادوگری اور مکر و حیلے سے سرور کا اشراق اور احساس پیدا ہو جاتا ہے حقیقت میں سرور نہیں ہوتی۔

ہے خیال میں لاتے ہیں اور یہ تصور اس وقت تک رکھتے ہیں جب تک کہ حرارت کا اثر اور اس کی معتبر کیفیت پیدا ہو جاوے اور اسکے بعد بھی اس خیال کو نہیں ہٹاتے اور اس کی نفی نہیں کرتے بلکہ اسکی نگہداشت کرتے ہیں اور آنکھ اور کان اور تمام قوتیں اس خیال کے ساتھ دل کی طرف[1] متوجہ ہوتے ہیں جس سے مراد حقیقت جامعہ انسانی ہے جو کہ موجودات عُلوی[2] و سفلی کا مجموعہ یعنی اس کی تفصیل ہے، اگرچہ ذات حق سبحانہٗ اجسام میں اُترنے اور داخل ہونے سے پاک ہے، لیکن چونکہ اس کے اور اس صنوبری گوشت کے ٹکڑے کے درمیان ایک نسبت واقع ہے۔ پس اس صنوبری گوشت پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ آنکھ اور فکر اور خیال اور تمام قوتوں کو اس پر لگا دینا اور اس پر حاضر رہنا اور دل کے دروازہ پر بیٹھے رہنا چاہیئے اور ہم شک نہیں رکھتے (بلکہ یقین رکھتے ہیں کہ اس حال میں غیبت اور بے خودی کی کیفیت کا آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کو ایک راستہ فرض کرنا چاہیئے اور اس کے پیچھے چلنا چاہیئے۔ اور جو خیال بھی آوے اپنے قلب کی حقیقت کی طرف متوجہ ہو کر اس خیال کو نفی کرنا اور اس چیز میں مشغول نہ ہونا اور اس مجمل سے کُل کی طرف بھاگنا چاہیئے اور جب تک وہ خیال دُور نہ ہو جاوے اس شخص کی صورت کے ساتھ التجا کرنی اور اس کو اتنی دیر تک نگہداشت کرنی چاہیئے کہ وہ نسبت پھر پیدا ہو جاوے۔ جب وہ نسبت پیدا ہو جاتی ہے وہ صورت اور اس کا تصور خود بخود غائب ہو جاتا ہے، لیکن چاہیئے کہ توجہ کرنے والا اس صورت کو خود دُور نہ کرے اور کلمہ طیبہ کے معنی کے متعلق یہ فرمایا، کلمہ طیبہ کے معنی یہ ہیں کہ:

نفی عبارت است از راجع گردانیدن کثرت و صور اشیاء بہ آن عین واحد کہ مقصود و مطلوب ہمہ سالکان ست

نفی یعنی لا الٰہ کا مطلب یہ ہے کہ کثرت اور چیزوں کی صورتوں کو اس عین واحد کی طرف لوٹا دینا جو کہ تمام سالکوں کا مقصود و مطلوب ہے۔

---

[1] کیونکہ وہ واسطہ ہے۔ اس کی نفی کرنا مطلوب تک پہونچنے میں مانع ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس صورت کی نفی کرنا اس واسطہ کی تحقیر کا متضمن ہے لے قلب پر متوجہ ہوتے ہیں۔ قلب سے مراد آدمی کی انانیت ہے اور وہ کائنات کا مجمل و خلاصہ ہے۔ اس بنا پر کہ اس میں ہر نوع یعنی ہر قسم کی مخلوق کا نمونہ موجود ہے اور ہر اسم جو اس نوع کا آفاق میں مدبر ہے۔ وہ اسم اس نمونہ کا انسان میں مدبر ہے۔ پس جب انسان سارے عالم کا نمونہ ہے تو جمیع اسماء الٰہی اس کے مدبر ہوں گے اور قلب پر توجہ کرنے سے مراد اس پر بحیثیت مظہریت کے توجہ ہوگی نہ اس حیثیت سے کہ وہ قلب ہے۔ اس لیے کہ قلب کائنات میں سے ایک کون ہے یعنی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور حقائق میں سے ایک حقیقت ہے اور مطلوب و مقصود مکوِّن کون اور حقیقۃ الحقائق یعنی کائنات کا بنانے والا اور حقیقۃ الحقائق یعنی حقیقتوں کی حقیقت حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے

[2] عُلوی یعنی اُوپر والی چیزیں مثلاً آسمان، عرش و کرسی، جنت و دوزخ وغیرہ سفلی نیچے والی چیزیں۔ سمندر، پہاڑ، نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہ۔

واثبات عبارت است از مشاہدہ کردن آں یک واحد در ہمہ صور و اینہا را عین آں واحد دیدن۔ پس لا الٰہ یعنی این صور متوہم غیریتش منفی ست و راجع بآں یک اصل است و الا اللہ یعنی ایں معنیٰ واحد ست کہ بایں صور می نماید۔	اور اثبات کا مطلب یہ ہے کہ ساری صورتوں میں اُس ایک ذات یعنی اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرنا اور اُن سب کو اس واحد کا عین دیکھنا۔ پس لا الٰہ یعنی ان وہمی اور فرضی صورتوں کی غیریت کی نفی ہے۔ یعنی ان خیالی صورتوں سے اس کی غیریت کی نفی کی گئی ہے اور وہ سب صورتیں اس ایک اصل کی طرف راجع ہیں[1]۔

اور الا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ اُس واحد کی حقیقت ہے جو ان صورتوں میں دکھائی دیتی ہے[2]۔

حضرت مولانا سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ تعالیٰ

وفات بدھ کے دن ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے ۸۶۰ھ

شروع حال میں علوم کی تحصیل میں مشغولیت رکھی اور کتب متداولہ کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ظاہری جمعیت بھی رکھتے تھے یعنی کوئی مالی پریشانی نہ تھی۔ ظاہری اسباب اور ضروریات زندگی ان کو بافراغت حاصل تھے جب اس طریقہ کا تقاضا اور شوق پیدا ہوا تو پوری طرح ترک و تجرید کر کے مولانا نظام الدین کی صحبت سے مشرف ہو گئے۔ اور خود فرماتے تھے کہ جب میں کئی سال حضرت مولانا کی صحبت سے مشرف رہا، تو میرے لیے حرمین الشریفین زادہما اللہ تعالیٰ تشریفاً وتکریماً کی زیارت کا تقاضا قوی ہو گیا۔ میں نے ان سے اجازت چاہی۔ اُنہوں نے فرمایا، ہر چند کہ می نگرم تُرا امسال در میان قافلہ حاجیاں نمی بینم۔ میں جتنا بھی دیکھتا ہوں اس سال تجھے حاجیوں کے قافلہ میں نہیں دیکھتا ہوں۔

اور اس سے پہلے میں بہت سے واقعات دیکھ چکا تھا۔ جس کے باعث میں متوہّم تھا اور حضرت کی بات پر اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اور آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ چلا جا اور کوئی اندیشہ نہ کر اور یہ بھی کہا، کہ جاوے گا، تو ان واقعات کو مولانا زین الدین سے عرض کر دینا کہ وہ باشرع مرد ہے اور سنّت کے طریقہ پر قائم ہے۔ اُن کا مقصد شیخ زین الدین خوافی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کائنات کے نقشے جو ہمیں نظر آتے ہیں نہ از خود کوئی چیز ہیں اور نہ ان کی کوئی حقیقت ہے ا بلکہ اسی ایک اصل یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں حضرت مولانا رومی قدس اللہ سرّہ نے اس مضمون کو اس طرح واضح فرمایا ہے

ہر چہ بینم در جہاں غیرِ تو نیست یا توئی یا خوئے تو ۔ یا بوئے تو

[2] یعنی اس سے قبل بہت سے واقعات میں مولانا نظام الدین کو ایسے طریقہ پر دیکھ چکا تھا جو شریعت کے معیار پر پورے نہ اُترتے تھے اس لیے مجھے مولانا کی اس بات پر دلجمعی نہیں ہوئی۔

سے تھا جو اس زمانہ میں خراسان کے اندر مقام ارشاد اور مشیخت میں متمکن تھے۔ جب حج کو جانے کے قصد سے میں خراسان پہنچ گیا۔ مولانا نظام الدین نے جیسے فرمایا تھا میرا حج کو جانا تو قضیہ میں پڑ گیا یعنی ملتوی ہوتا رہا۔ پھر کئی سال کے بعد میسّر ہوا[1] اور جب میں شیخ زین الدین رحمہ اللہ کی خدمت میں پہونچا۔ اُن سے وہ واقعات بیان کیے جن کی مولانا نظام الدین نے ہدایت فرمائی تھی، تو شیخ نے فرمایا :

با ما بیعت کن و در قیدِ ارادتِ ما در آئی ہم سے بیعت کر اور ہماری مریدی کی پابندیاں قبول کر۔

میں نے کہا، وہ بزرگ جن سے میں نے یہ طریقہ لیا ہے ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ آپ ایمن ہیں۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ ان حضرات کے طریقہ میں یہ جائز ہے تو میں ایسا کر لوں گا۔ مولانا نے فرمایا استخارہ کر لے۔ میں نے کہا، مجھے اپنے استخارہ پر بھروسہ نہیں آپ استخارہ کریں۔ فرمایا، تو استخارہ کر ہم بھی کریں گے۔ رات آگئی۔ میں نے استخارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ خواجگان کی جماعت ہری کی زیارت گاہ میں جہاں جناب مولانا زین الدینؒ رہتے تھے، آئی۔ وہ حضرات درختوں کو اکھاڑتے اور دیواروں کو گراتے تھے۔ اور قہر و غضب کی علامات اُن پر ظاہر تھیں۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حضرات مجھے دوسرے طریقہ میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں۔ مجھے اطمینان ہوگیا۔ میں نے پاؤں پھیلائے اور سوگیا۔ جب صبح شیخ کی مجلس میں آیا بغیر اس کے کہ میں اپنا واقعہ اُن سے کہوں۔ شیخ نے از خود فرمایا، طریقہ ایک ہے اور سب ایک کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ اپنے طریقہ میں مشغول رہ۔ اگر کوئی واقعہ یا کوئی مشکل پیش آئے ہم سے کہ۔ جس قدر ہو سکے گا ہم مدد کریں گے۔

حضرت مولانا پر خاص غلبہ (استیلاء) جس میں وہ شغل کرتے تھے ظاہر ہوتا تھا۔ تھوڑی سی توجہ سے غیبت کی علامات اور بے خودی کی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ جس شخص کو اس حقیقت کا پتہ نہ ہوتا وہ اس کا وہم کرتا تھا کہ شاید مولانا کو نیند آتی ہے۔ پہلے پہلے جب میں ان کی صحبت میں پہنچا۔ جامع مسجد میں میں اُن کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کی جیسے عادت تھی اپنے سے غائب ہوگئے۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید حضرت کو نیند آجاتی ہے۔ میں نے عرض کیا اگر کچھ دیر آرام فرمائیں، تو کوئی حرج نہ ہوگا۔ آپ نے تبسّم کیا اور فرمایا، شاید تو اعتقاد نہیں رکھتا کہ ہمارا سونے کے علاوہ دوسرا کام بھی ہوتا ہے۔ ایک دن آپ فرمانے لگے بعض درویش سونے اور جاگنے میں اس کے سوائے کوئی اور فرق نہیں کر سکتے کہ اپنے میں ایک قسم کا ہلکا پن جو سونے کے بعد ہوا کرتا ہے پالیتے ہیں، ورنہ ان کی مشغولی کی کیفیت سونے اور جاگنے میں ایک طریقہ پر رہتی ہے، بلکہ سونے کی حالت میں چونکہ بعض موانعات مرتفع ہو جاتے ہیں یعنی بعض رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں۔ اس لیے سونے

ج ۲

[1] یعنی کئی سال کے بعد جانا نصیب ہوا۔

میں ان کی مشغولی زیادہ صاف اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ یہ بات جو آپ نے فرمائی۔ اس سے وہ اپنے حال کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک درویش جوان کی صحبت میں جایا کرتا تھا اس نے یہ حکایت بیان کی کہ جس وعظ کی مجلس میں درویشوں کے علوم اور معرفت کی باتوں کا بیان ہوتا تھا میری حالت غیر ہو جاتی تھی۔ میں بہت شور مچاتا تھا۔ بڑی فریاد کرتا تھا اور اس سے مجوب ہو جاتا تھا۔ ایک دن میں نے اپنے اس حال کو حضرت سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا، جس وقت تیری حالت بدلے، مجھے اپنے خیال میں لے آیا کر یعنی میرا تصور کر لیا کر۔ جن دنوں میں کہ آپ حجاز کے سفر میں جا چکے تھے: مدرسوں میں سے ایک مدرسہ کے اندر جہاں ایک بزرگ وعظ کر رہے تھے۔ میری حالت بدلنے لگی۔ میں نے آپ کی طرف توجہ کی۔ میں نے دیکھا کہ اس مدرسہ کے دروازہ سے اندر آئے اور میرے سامنے آگئے۔ اپنے دونوں ہاتھ میرے کندھے پر رکھے۔ میں اُسی وقت بےخود ہو گیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جس وقت کہ میں اپنے حال میں آیا وعظ کی مجلس ختم ہو چکی تھی۔ مجلس والے جا چکے تھے اور دُھوپ مجھ پر پہنچ چکی تھی اور وہ دن ماہِ رمضان کا آخری پنجشنبہ تھا کہ جس کے بعد عید تک اور کوئی جمعرات نہ ہوئی میں نے اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا کہ جب آپ مکہ سے آئیں گے اُن سے کہوں گا۔ جب آپ مکہ سے تشریف لائے میں اُن کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوا۔ اُن کے پاس ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اپنا حال اُن سے نہ کہہ سکا۔ آپ نے از خود میری طرف مُنہ کیا اور فرمایا:

پنجشنبہ بود کہ بعد ازاں تا عید دیگر پنجشنبہ نبود دہ جمعرات تھی جس کے بعد عید تک دوسری جمعرات نہیں ہوئی۔

خواجہ عبید اللہ اَدامَ اللہُ برکاتِ وجودہٖ علیٰ مَفارقِ الطالبینؒ

اس وقت آیات و نشانات کے مظہر اور طبقۂ خواجگان کی ولایتوں اور کرامتوں کی وہ مجلس جہاں لوگوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے ملنے اور ناقصوں کے کامل ہونے اور ان حضراتؒ کے سلسلہ کے انتظام کا ذریعہ اہلِ حاجات اور اہلِ اخلاص کے آقا و شیخ حضرت خواجہ موصوف ہیں۔ اُمید یہ ہے کہ خواجہ موصوف کے وجود کی برکت سے اس سلسلہ کا انتظام یعنی اس لڑی میں اُمت کا منسلک ہونا قیامت تک جاری رہے گا۔ اگرچہ فقیر کی یہ باتیں بے اَدبی اور بے باکی کی صورت یعنی چھوٹا مُنہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن میں نے اپنے میں جس قدر غور کیا ہے

لہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ مذکور کے وجودِ مسعود کی برکتیں، طالبوں کے سروں پر ہمیشہ ہمیشہ قائم رکھیں۔

ٹہ مظہر۔ جائے ظہور۔ ظاہر ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

یعنی اس کے کہنے یا نہ کہنے کے متعلق سوچا ہے۔ میں نے اپنے میں یہ حوصلہ نہیں پایا کہ اس پر دل کو مطمئن کر سکوں اور دل کی بات دل میں نہ رہنے دوں، کیونکہ یہ مجموعہ جس کے جمع کرنے سے میرا مقصود ان حضرات کے معارف معرفت اور ان کی معلوم کی ہوئی باتوں کا ذکر اور ان کے اوصاف حمیدہ کا پھیلانا ہے، پھر یہ مجموعہ حضور والا کے ذکر سے خالی ہو۔ اس لیے اس سلسلہ شریفہ کے حالات اور مناقب کی شرح کو حضرت والا شان کے پاکیزہ کلمات سے جن کو معرفت کے لکھنے والے آنجناب کے قلم مبارک نے لکھا ہے بطور مسکیۃ الختام یعنی مشک کی مہر لگانے کے کر دیا جاتا ہے۔

بریدن و تہی شدن دل از غیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ دلیل ست بر مظہریت دل بر تجلی حق سبحانہٗ بوصف احدیت کہ نیل معارف بحقائق اسماء و صفات بے این معنی متعذر ست چہ قابلیت قبول عکوس انوار تجلیات ذات بہ تہی شدن از التفات ہر چہ وسمت حدوث یافتہ است میسر نیست

غیر حق کی اُمیدوں اور آرزوؤں کو دل سے جُدا کر دینا اور غیر کی محبت سے اس کا خالی ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ دل وصفِ احدیت کے ساتھ حق سبحانہٗ کی تجلی کا مظہر بن گیا ہے کہ اسماء و صفات کے حقائق کے علوم کو پانا اور اُن تک رسائی حاصل کرنا اس خاص تجلی کے بغیر مشکل ہے، کیونکہ تجلیات ذات کے انوار کے عکس کو قبول کرنا مخلوق کی طرف سے دل کی توجہ کو ہٹائے بغیر اور دل سے مخلوق کی رغبت نکالے بغیر آسان نہیں

---

[1] دل وصف احدیت کے ساتھ حق سبحانہٗ کی تجلی کا مظہر بن گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت احدیت کو ظاہر فرما دیا۔

[2] عکس اس شبیہ اور تصویر کو کہتے ہیں جو پانی یا آئینہ میں دکھائی دے۔ انوارِ الٰہی جو صورت مثالیہ میں ظاہر ہو سکتے ہیں ان کے نور تصویریں اس قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جس میں غیر نہ رہتا ہو۔ مثلاً پانی اگر صاف ہوگا باہر کے عکس اور تصویریں اس میں ظاہر ہوں گی اگر اس میں مٹی وغیرہ ملی ہوئی ہوگی، تو پانی گدلا ہوگا۔ اس میں باہر کے عکس نہ آئیں گے۔ ذات کی تجلی احدیت کے ساتھ اس میں ذات سے مراد حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے اور تجلی کے معنی ظاہر ہونا۔ احدیت اللہ کی صفت یکتائی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قلب پر اپنی یکتائی کی صفت کا کوئی حصہ ظاہر فرماتے ہیں۔ اس وقت دل میں اس کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

[3] غیر کے التفات سے دل کا خالی ہونا یہ ہے کہ بطریق مزاحمت غیر کا شعور نہ رہے۔ یہ نہیں کہ مطلقاً شعور نہ رہے اور شعور بالکل ختم ہو جائے۔ اس لیے کہ شعور کا سقوط نادر ہوتا ہے اور برق خاطف کی طرح گزر جاتا ہے یعنی یہ حال کبھی کبھی ہوتا ہے اور جس طرح آسمان پر بجلی چمکتی ہے اور فوراً گزر جاتی ہے۔ اسی طرح یہ حال بھی آنکھ جھپکنے کے بقدر یعنی ایک سیکنڈ میں ختم ہو جاتا ہے۔ بطریق مزاحمت کا مطلب یہ ہے کہ غیر کا شعور ہووے اور دفع کرنے سے دُور ہو جاوے۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

عشق وہ شعلہ ہے کہ جب چمکنے لگتا ہے تو معشوق کو چھوڑ کر دوسری سب چیزوں کو جلا دیتا ہے۔

تہی شدن دل موقوف افتادہ است بر تجلی ذات
بوصف احدیت و حصول این معنی را بعد از تحقیق ایمان
باللہ و برسول اللہ وَبِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
وَمِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلٰى مُرَادِ اللّٰهِ
وَعَلٰى مُرَادِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اسباب است
از اتخاذ ریاضات کہ شریعت از اخذ آن منع نہ
کردہ است و دوام ذکر بشرط وجدان
مذکور بوصف انکسار و خضوع بکمال بر مطابعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را لیکن ہیچ
سببے در تحصیل این نسبت قوی تر از ان نیست
کہ بصدق و نیاز تمام مجالست بجماعتے لازم
وقت خود گرداند کہ باطن ایشان مظہر این تجلی گشتہ

دل کا خالی ہونا موقوف ہے[1] وصف احدیت کے ساتھ تجلی پر اس معنی کا
حصول یہ ہے کہ اس پر ذات حق کی تجلی اور اسکا ظہور احدیت کے وصف
کیساتھ ہو اور احدیت کی صفت میں اللہ تعالیٰ کی تجلی ان اسباب اور
طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ جو بھی اللہ اور رسول اللہ
کی طرف سے آیا۔ اللہ اور اس کے رسول کے منشار اور مقصد کیمطابق
ان سب پر ایمان حقیقی بنانے یعنی ان سب پر دل سے یقین لانیکے
کے بعد نفس کو زیر کرنے کیلیے) ان ریاضتوں مشقتوں اور تکلیفوں کو
اپنے اوپر لازم کر لینا جنکو اختیار کرنے سے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔
اور دائمی ذکر اس شرط کیساتھ کہ ذاکر مذکور کیطرف متوجہ رہے یعنی کہ اللہ کے
کیساتھ اسکا حضور قائم رہتا اور اس میں عاجزی اور انکساری کی صفت
ہو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت، لیکن اس
نسبت کے حاصل کرنیکے اسباب میں اس سے بڑھکر اور کوئی سبب اور

---

[1] خلاصہ یہ کہ غیر سے دل کا خالی ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت احدیت کے ساتھ دل پر تجلی فرمائے یعنی اپنی صفت احدیت کو اس پر ظاہر کر دے اور اس حالت کے حاصل ہونے کے لیے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کے پختہ بنانے اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا اور اللہ کے رسول کی طرف سے آیا اللہ کے اور اللہ کے رسول کے منشار کے مطابق پختہ یقین کر لینے کے بعد ان اسباب کو یعنی ان ریاضتوں اور مشقتوں اور تکلیفوں کو اپنے اوپر لازم کر لے جن کے کرنے سے شریعت نے منع نہ کیا ہو اور دائمی ذکر اس شرط سے کہ ذکر کرنے والا مذکور یعنی اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اس کے ساتھ اس کا حضور قائم رہے اور ذکر کرنے والے میں عاجزی اور انکساری کی صفت موجود ہو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کمال درجے کی اتباع ہو، لیکن اس نسبت کے حاصل کرنے کے اسباب میں اس سے بڑھ کر دوسرا کوئی سبب اور ذریعہ نہیں۔ سچے اعتقاد اور پوری نیازمندی کے ساتھ اس جماعت کی صحبت میں رہنے کو اپنی زندگی کے لیے لازم کر لے جن کے قلوب اس تجلی کے مظہر بن گئے ہوں اور اس تجلی کے غلبے اور قوت کے باعث غیر کا وجود ان کی بصیرت کے سامنے سے پوری طرح اٹھ گیا ہو اور غیر کے شہود سے وہ پوری طرح آزاد ہو ہو گئی ہو۔

باشد و بہ سطوت این تجلی چنان وجود غیر
از پیشِ بصیرت ایشان برداشتہ شدہ
واز شعور غیر بتمامی آزاد گشتہ و بفنا رِ حقیقی
از مزاحمت شعورِ بخود و بغیرِ خود خلاص
گشتہ بعد از تحقیق بفنا حق تعالیٰ ایشان
را نزد خود بوجود موہوب حقانی بشرف
گردانیدہ از بیخودی و سُکرِ حال
افاقت یافتہ دیگران را واسطہ حصولِ سعادت
حقیقی کہ عبارت از بقا و فناست شدہ۔ پس
واجب بر اذکیار آنکہ در تخلیص از گرفتاری دل بوجوہِ
اکوان کہ بحقیقت حجاب عبارت ازین گرفتاری است
باشیائی کہ سبب خلاصیٔ دل می شود وتمسک نمودہ
خود را پیش از مردن خلاص گردانند۔ اگر مناسب
استعداد خود اشتغال بذکر دانند تقصیر و اہمال را در
استعداد آں نہ پسندند و دانند کہ صحبت اربابِ شہودِ
دل از گرفتاری زود تر خلاص مے شود۔ خود را بصحبت
این برگزیدگان بنگاہ و داشتِ آداب صحبت ملتزم
کنند زمان خلاص دل از گرفتاری بغیر حق بحقیقت
زمان وصول و شہود است۔ چوں دل از مزاحمت

ذریعہ بنیں ہے۔ پسے اعتقاد اور کامل نیازمندی کیساتھ ایسی جماعت کی
صحبت میں رہنے کو اپنی زندگی کے لیے لازم کرلے جنکے قلوب اس
تجلی کے مظہر بن گئے ہوں اور اس تجلی کے غلبہ اور قوت کے ذریعہ غیر
کا وجود اُن کے دِل کی نظر سے اُٹھ گیا ہو اور اُنکا قلب غیر کے شعور سے
پوری طرح آزاد ہو گیا ہو اور حقیقی فنا کے ساتھ اپنے اور دوسرے کے
شعور کی مزاحمت سے رہائی حاصل کر چکا ہو[1]۔ اور فنا کے پختہ ہو جانے
کے بعد حق سُبحانہٗ و تعالیٰ نے اُنکو اپنے نزدیک وجودِ حقانی سے مشرف
بنا دیا ہو۔ بے خودی اور مستی کے حال سے صحتیاب ہو چکا ہو یعنی ہوش و
حواس میں آکر دوسروں کیلیے سعادتِ حقیقی کے حاصل ہونیکا واسطہ
اور ذریعہ ہو گیا ہو۔ سعادتِ حقیقی کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی فنا
اور بقا کے لیے ذریعہ بن گیا ہو۔

لہٰذا عقل اور دانائی رکھنے والوں پر یہ واجب
ہے کہ آسمان و زمین کی جس چیز میں دل گرفتار اور پھنسا ہوا ہے کہ
درحقیقت دِل کے اس میں پھنس جانے اور گرفتار ہو جانے کو ہی حجاب
کہا جاتا ہے۔ جو چیزیں بھی دِل کی خلاصی و رہائی کا سبب بنتی ہوں اُن
کو مضبوط پکڑ کر مرنے سے پہلے خود کو اس گرفتاری سے چھڑا لیں
آزاد کرالیں اور رہائی حاصل کریں۔ اگر ذکر میں مشغول ہونے کو اپنی استعداد
کے مناسب جانیں تو تقصیر و اہمال کو اپنے اندر آنیکا موقعہ نہ دیں اور اگر اپنے
میں اسکی استعداد نہ دیکھیں اور یہ جانیں کہ اربابِ شہود کی صحبت میں دل غیر کی

---

[1] اپنے شعور اور غیر کے شعور کی مزاحمت سے خلاصی پا چکا ہو۔ اس میں مزاحمت کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ فنا ء حقیقی شعور یعنی غیر کے خیال کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے، لیکن مزاحمت اور ممانعت کے ساتھ جمع نہیں رہتی۔ مزاحمت کے معنیٰ بہ تکلف دُور کرنا ہے۔ ممانعت کے معنیٰ روکنا اور باز رکھنا۔ مطلب یہ ہے کہ جب غیر کے خیال کو دل میں جمع ہونے سے روکے گا تو غیر کا خیال دل میں نہ رہے گا۔ بلکہ نکل جائے گا۔ [2] یعنی ذکر میں جی لگتا ہو تو پھر ذکر میں کوتاہی اور کمی نہ کریں اور سستی اور لاپرواہی کی وجہ سے ذکر کو نہ چھوڑیں انشاء اللہ اسی سے کام بنے گا۔

شہود بوجود غیر نجات یافت غیر گرفتاری بشہود حق سبحانہٗ ہیچ نیست۔

گرفتاری سے جلد تر آزاد ہو جائیگا۔ اور رہائی پائیگا۔ تو صحبت کے آداب کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان برگزیدہ بندوں کی صحبت میں رہنے کا التزام کریں۔ غیر حق کی گرفتاری اور قید سے دل کا آزاد ہو جانا اور مخلوق کے پنجرہ سے نکل جانا ہی حقیقت میں وصول و شہود کا زمانہ ہے۔ جب دل نے وجود غیر کے شہود سے نجات پالی تو اس کے بعد حق سبحانہٗ کے شہود کی گرفتاری کے سوائے اور کچھ نہیں۔

مصرعہ: بلا رمنت شیریں کر جز آں نیاسائی بعد از آنکہ سلوت نفی ما دون حق دل از غبار التفات غیر آزاد گشت غیر اثبات حق ہیچ نماند۔

مصرعہ: بلا رمنت شیریں کر جز آں نیاسائی۔ اس کے بعد جب کہ دل ماسوی اللہ کی نفی کے غلبہ کی وجہ سے غیر حق کے التفات اور خیال کے غبار سے آزاد ہو گیا، تو پھر حق کے اثبات کے سوا اور کچھ نہ رہا۔

بیت: تیغ لا در قتل غیر حق براند
در نگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز گشت

غیر حق کے قتل میں لا کی تلوار چلا دی،
پھر دیکھ کر لا کے علاوہ کیا رہ گیا۔
اللہ باقی رہ گیا، اس کے علاوہ سب کچھ چلا گیا
تو خوش رہ کر تیرا عشق شرکت سوز یعنی ماسوا کو جلانے والا بن گیا۔

زمان غیبت از ما دون حق سبحانہٗ بحقیقت زمان وصول و شہود و وجود است زیادہ از آں نیست کہ بحکم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ ارباب کشف و وجود پیش از تمکین دریں معنی ارباب فوق را بالغاں ایں مقام شہود اند ظہور ایں معنی مقدمہ فناست و بشریست بظہور تباشیر صبح سعادت وصول از مطلع احدیت کہ استغراق استہلاک ست۔ در شہود ذات بے مزاحمت شہود بوجود غیرے، بلکہ دریں مقام اگر ترقی واقع شود شورش از ذوق تجلیات اسماء نیز منقلع

حق سبحانہٗ کے ماسوا سے غائب ہونے کا زمانہ ہی حقیقت میں وصول شہود اور وجود کا زمانہ ہے اس سے زیادہ نہیں ہے، کیونکہ اعمال کا اعتبار اُن کے خاتمہ پر ہے۔ ارباب کشف و وجود اور وصل والوں نے اس حال میں تمکین قدرت اور قابو پا لینے سے پہلے اہل ذوق کو اس مقام میں پہنچنے والوں میں سے شمار نہیں کیا ہے۔ اس کیفیت کا ظاہر ہونا فنا کا مقدمہ ہے اور اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ سعادت کے مطلع سے سعادت وصول کی صبح کی روشنی ظاہر ہو چکی ہے جو شہود ذات میں غیر کے وجود کے شہود کی مزاحمت کے بغیر استہلاک و استغراق ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ ذات کے شہود میں ایسا ہلاک اور غرق ہو جائے کہ غیر کا شعور نہ رہے یہی وصول ہے، بلکہ

۱؎ یعنی دارومدار خاتمہ پر ہے تلوین یعنی ناپختگی اور کچائی کی حالت میں خاتمہ کی خبر نہیں، چونکہ یہ کیفیت مستحکم اور پختہ نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا آدمی کوشش کرتا رہے تاکہ تلوین سے تمکین کے مقام میں پہنچ جائے۔

شود اشارت آں بزرگ کہ برایں امر بوداست کہ سالک می تواند بود کہ متصف شود باخلاق حق سبحانہٗ المتخلقو اصل او ایں معنی مواجہ بود۔ چہ از وصل، مقصود شہود ذاتی ست بے مزاحمت شعور بوجود کثراتی۔ مرتبہ اتصاف باوصاف کہ مرتبۂ تجلیات صفات است بے کثرت از وجہے متعذر ست۔

اگر اس مقام میں ترقی واقع ہو جاتی ہے۔ تو اسماء کی تجلیات کے ذوق سے بھی اس کا شعور جاتا رہتا ہے۔ یہ فرما کر حضرت خواجہ نے اس بزرگ کے قول کی طرف اشارہ کیا جس نے کہا تھا، کہ ہو سکتا ہے کہ سالک حق سبحانہٗ کی صفتوں سے متصف ہو جائے یعنی وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جائے، لیکن وہ اب تک واصل نہیں یعنی اس مقام اور اس کیفیت تک پہنچنے والا نہیں ہے، کیونکہ وصل سے مقصود تو وہ شہود ذاتی ہے جس میں وجود کثراتی یعنی مخلوق کے شعور کی مزاحمت نہ ہو۔ اور صفات سے متصف ہونے کا مرتبہ جو تجلیات صفات بے کثرت کا مرتبہ ہے ایک وجہ سے مشکل ہے۔

اگر خواہی در مقام حضور باشی با حق سبحانہٗ از مکر و وسوسۂ شیطان آزاد باشی بلکہ ملک را اطلاع بر حضور تو نشود، بلکہ نفس ترا وقوفی بر حضور تو نشود بر تو باد کہ ہم نشینی با مردے کنی کہ دل و جان ایشاں در ذکرِ ذات مستغرق شدہ باشد واز وجود رہائی یافتہ تعبیر ازیں معنی بعضی بشہود و بعضی بیادداشت کردہ اند اگر سعادت دست بہم دہد باید کہ طریقۂ ذکر یا طریقۂ توجہ و جذبۂ خواجگان را قبول کردہ ہمگی خود را بورزش ایں طریقہ برسانی تا بریں دولت عظمیٰ و سعادت کبریٰ کہ فوق آں متصور نیست برسی لیکن

اگر تو یہ چاہتا ہے کہ حق سبحانہٗ کے ساتھ حضور[1] کے مقام میں رہے اور شیطان کے مکر اور وسوسے سے آزاد رہے، بلکہ تیرے حضور پر فرشتہ کو بھی اطلاع نہ ہو، بلکہ تجھے خود بھی اپنے حضور پر وقوف اور خبر نہ ہو، تو تجھ پر لازم ہے کہ تو ایسے مرد کی ہمنشینی اختیار کرے جس کا دل اور جان ذکر ذات میں مستغرق ہو گیا ہو اور اپنے سے رہائی پا چکا ہو اور دل و جان سے ذکرِ الٰہی میں مستغرق ہو جانے اور اپنے وجود سے رہائی پانے کو بعض حضرات نے شہود سے تعبیر کیا ہے۔ بعض نے وجد سے کیا ہے اور بعض نے تجلّی ذات سے اور بعض نے یادداشت سے تعبیر کیا ہے۔ اگر یہ سعادت و خوش قسمتی میسر ہو جائے تو چاہیئے کہ خواجگان حضرات نقشبند کا طریقۂ ذکر یا ان کے طریقہ توجہ و جذبہ کو قبول کر کے یعنی دل سے تسلیم کر کے اپنے آپ کو پورے طور پر اس طریقہ کی ورزش یعنی ریاضت و محنت میں پہنچا دے، تاکہ تو اس بڑی سے بڑی دولت اور بڑی سے بڑی خوش قسمتی کو پہنچ جائے۔ جس سے بڑھ کر کوئی دولت ہے اور نہ سعادت و خوش بختی۔

---

[1] ہر دم حق سبحانہ کا دھیان رہے اور اللہ کے دربار میں اپنے کو حاضر جانے۔

وزہ نحو منتہی وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی۔ لَیْسَ وَرَاءَ عَبَّادَانَ قَرْیَةٌ[1]

اور بے شک تیرے رب تک ہے تیری انتہا اور عبادان کے گاؤں سے آگے کوئی اور گاؤں نہیں ہے۔

نظم	ترجمہ
عاشقاں را شادمانی و غم اوست	عاشقوں کے لیے خوشی اور غم وہ ہے۔
مزدِ کار و اُجرتِ خدمت ہم اوست	کام کی مزدوری اور خدمت کا معاوضہ وہ ہے۔
غیر معشوق ار تماشائے بود	معشوق کے سوائے اگر کوئی تماشا[2] ہو گا۔
عشق نبود ہرزہ سودائے بود	تو عشق نہ ہوگا دیوانہ کی بڑ ہوگی۔
عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت	عشق وہ شعلہ ہے۔ جب وہ مشتعل ہوگا۔
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت	معشوق کو چھوڑ کر باقی جو بھی ہوگا اُس کو جلا دے گا۔

باید کہ شغل در نگاہداشت آگاہی ایں وصف بود کہ در خروج و دخولِ نفس واقف باشد کہ در نسبت حضور مع اللہ فتورے واقع نشد تا برسد بآنجا کہ بے تکلف نگاہداشت او ہمیشہ ایں نسبت حاضر دل اُو بُود بتکلف نتواند کہ ایں صفت از دل دُور کند۔

آگاہی کی حفاظت میں اس طرح مشغول رہنا چاہیئے کہ سانس کے باہر آنے اور اندر جانے میں چوکنا اور خبردار رہے، تاکہ حضور مع اللہ کی نسبت میں کوئی فتور، خرابی اور کمی واقع نہ ہو تاکہ وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس کی نگاہداشت کے تکلف کے بغیر بھی یہ نسبت ہمیشہ اس کے دل کے ساتھ ایسی موجود رہے کہ تکلف کے ساتھ بھی اس حال یا وصف کو دُور نہ کر سکے۔

گاہ باشد کہ اورا از خود تمام بستانند و از خودش خبر بود نہ از وقوف قلبی بمقصود باید کہ چوں اورا بخود دہند بطریقہ مقررہ در نگاہداشت۔ نسبت آگاہی کمال

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب اس کو خود سے پوری طرح لے لیتے ہیں اور وہ ایسا ہوش کھویا ہو جاتا ہے کہ اسکو نہ اپنی خبر رہتی ہے اور نہ مقصود کے ساتھ وقوف قلبی کی یعنی دل کی آگاہی کی بھی اسکو خبر نہیں ہوتی۔ جب اللہ تعالیٰ اسکو ہوش میں لائیں تو چاہیئے کہ مقررہ طریقہ پر نسبت آگاہی کی نگہداشت میں پوری

---

[1] ہر چیز کا آخر اور ہر شے کا انجام بجز اللہ کے اور کوئی نہیں [1] تیرا آخر تیرا رب ہے جو تیرا ہی نہیں، بلکہ ساری مخلوقات کے سلسلہ کا آخر ہے اور عبادان جزائر عرب کا آخری گاؤں ہے جس کے آگے اور کوئی گاؤں نہیں۔

[2] تماشا کے معنی خوشی اور مسرت کے ہیں نیز شوق سے کسی چیز کے دیکھنے کو بھی تماشا کہتے ہیں۔

سعی بجا آرد تا قصورے بواسطۂ عوارض نفسانیہ باو راہ نیابد و دوام التجاء و افتقار بصفت انکسار بجناب حق سبحانہٗ قوی ترین سببی ست در دوام این نسبت باید کہ ہمیشہ از حق سبحانہٗ بوصف نیاز بقاء این صفت جوید اگر بعمر ابدی در نگاہداشت این نسبت سعی کند ہنوز حق وے گزاردہ نشود۔ غَرِیْمٌ لَا یُقْضٰی دَیْنُہٗ گویا در شان این نسبت ست۔

پوری کوشش کرتا رہے، تاکہ عوارض نفسانیہ کی وجہ سے کوئی قصور یعنی کوئی خرابی یا کمزوری اس میں راہ نہ پائے اور انکساری کے حال اور نیاز مندانہ انداز سے حق سبحانہٗ کی جناب میں ہمیشہ التجا کرنا اور محتاج بن کر مانگتے رہنا اور اس نسبت کے دوام اور اس کی پائنداری میں سبب سے زیادہ طاقت والا سبب ہے۔ چاہیئے کہ ہمیشہ نیازمندی کے ساتھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے اس صفت کی بقاء کو طلب کرتا رہے۔ اگر اس نسبت کی حفاظت میں ابدی عمر کے ساتھ کوشش کرتا رہے اس حال میں بھی وہ اُس کا حق ادا نہ کر سکے گا۔ غَرِیْمٌ لَا یُقْضٰی دَیْنُہٗ وہ ایسا قرض خواہ ہے جس کا قرض ادا نہیں ہو سکتا۔ بظاہر اس نسبت کی شان میں ہے۔

معنی مشاہدہ نہ آنست کہ حق سبحانہٗ را بحاسہ بصر تواں دید چوں لمعۂ از انوار اے بنہایت بر ارواح و اشباح تافتن آرد جملہ کاں لم یکن چیزا نیست گروند کہ او ایشاں نام و اثر نشان بلکہ این باں معنیٰ ست کہ چوں حضور دل بحقیقت ذکر کہ منزہ است از حرف و صوت بواسطۂ مواظبت بر ذکر بدرجۂ ترقی کند کہ دیگرے را در حقیقت دل گنجائی نماند و دریں حال دل را مشاہدہ گویند۔

مشاہدہ کے یہ معنی نہیں کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو کوئی آنکھ کی حس سے دیکھ سکتا ہے۔ ارواح اور اجسام پر جب جل جلالہٗ کے انوار کی چمک دوڑنے لگتی ہے اور اُس کے انوار کا پَر تو پڑنا شروع ہوتا ہے تو ہر چیز ایسی ہو جاتی ہے جیسے کہ وہ موجود ہی نہ تھی اور تمام اجسام و ارواح لیستانبود ہو جاتے ہیں کہ اُن کا نام و نشان بھی نہیں رہتا[1] بلکہ یہ مشاہدہ اس معنی میں ہے کہ جب دل کا حضور ذکر کی حقیقت کے ساتھ جو حرف اور آواز سے پاک ہے۔ ذکر پر مداومت کے ذریعہ اس درجہ میں ترقی کرے کہ دل کی حقیقت میں دوسرے کی گنجائش نہ رہے۔ دل کے اس حال کو مشاہدہ[2] کہتے ہیں۔

---

[1] یہ لفظ و دلیل کے طور پر ہے، یعنی جب اس کے انوار کی چمک ارواح و اجسام پر پڑتی ہے تو سب کو فنا کر دیتی ہے کہ پھر آنکھ سے اس کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے، کیونکہ جب ارواح و اجسام ہی نابود ہو جائیں گے قرآن کے تابع جو بھی قوتیں ہیں سب فنا ہو جائیں گی اور آنکھوں کی بینائی بھی اُس کے توابع میں سے ہے وہ بھی نہ رہے گی، لہٰذا آنکھ کی بینائی سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کیسے ہوگا۔ [2] یعنی مشاہدہ کا مطلب یہ نہیں کہ حق تعالیٰ کو حس بصر سے دیکھیں یا کسی حس سے معلوم کریں، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب دل کا حضور حقیقت ذکر کے ساتھ یعنی ذکر میں (باقی آگے)

وحق را مشاہد و کمال ذوق ازیں مشاہدہ وقتی دست بدہد کہ آگاہی او از وصف حضور بشود حضوری باشد بی مزاحمت شعور بحضور چہ بمقدار شعور بحضور نقصانی در حضور بحق سبحانہٗ واقع شود و ذات مقدس او ازاں برتر است کہ در دیدۂ بصیرت دل آید فکیف کہ در نظر حس آید ازینجاست کہ عطش متعطشان زلال وصال بمشاہدہ ستری ہرگز تسکین نیابد، بلکہ تشنگی بر ایشاں زیادت گردد و واللہ اعلم بحقائق الامور۔

اور حق تعالیٰ کو مشاہد کہتے ہیں اور اس مشاہدہ کا کمال اس وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کی آگاہی حضور کے وصف کے ساتھ ہوگی جو ایسا حضور ہو کہ اس میں شعور کی رکاوٹ نہ ہو، چونکہ جس قدر حضور کا شعور ہوگا اُسی قدر حق سبحانہٗ کے حضور میں نقصان اور کمی واقع ہوگی اور اس کی ذاتِ مقدس اس سے برتر ہے کہ دل کی آنکھ میں آئے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حس کی نظر میں آوے۔ یہی وجہ ہے کہ وصال کے شیریں پانی کے پیاسوں کی پیاس باطنی مشاہدہ[1] سے ہرگز تسکین نہیں پاتی۔ بلکہ اُن پر پیاس اور زیادہ ہو جاتی ہے[2]۔ واللہ اعلم بحقائق الامور۔

ایک رات محبت ذاتیہ میں گفتگو ہو رہی تھی جس سے مراد حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے ساتھ دل کا مربوط ہو جانا یعنی اُس پر عاشق ہو جانا بغیر اس کے کہ اس محبت کا کوئی سبب جانیں یا اُس کی کوئی وجہ پہچانیں، بلکہ ایسی رغبت اور کشش ہے جس کے روکنے اور دُور کرنے پر قدرت نہ ہو۔ حضرت خواجہ نے فرمایا، تاشکند کے اطراف میں دو کم عمر لڑکوں سے ہم نے اس نسبت کو معلوم کیا۔ ایک لڑکا اکثر ہمیشہ ہمارے اصحاب کے حلقہ کے گرد پھرتا رہتا تھا۔ وہ دُور جا کر بیٹھ جاتا اور گردن ٹیڑھی رکھتا تھا۔ ایک دن میں وضو کے لیے اُٹھا تو اس نے لوٹے کی طرف مسارعت (جلدی) کی۔ جب میں فارغ ہو گیا۔ میں نے اس سے پوچھا، تیرے یہاں آنے کا سبب کیا ہے؟ بہت عرصہ سے تو یہاں پھرتا ہے۔ اُس نے کہا:-

---

(گزشتہ صفحہ سے آگے) گم ہو جاتا جو کہ حرف اور آواز سے پاک ہے ذکر پر مداومت اور مواظبت کے ذریعہ اس درجہ میں ترقی کر لیتا ہے کہ دل کی حقیقت میں دوسرے کے لیے گنجائش اور سمائی نہیں رہتی اور اس حال دل کو مشاہدہ کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مشاہد کہتے ہیں۔

[1] کہتے ہیں مشاہدہ ستری باطنی مشاہدہ جو ادراک یعنی دریافتوں اور معلومات کی اعتبار سے وہ ہرگز خالی نہیں ہوتا اور شہود حق سے تسکین نہیں پاتا۔ اس لیے کہ ذات حق کی ماہیت اور حقیقت اور اُس کے اعتبار کو پہنچنا ناممکن و محال ہے بہرحال اور مراتب اگرچہ مجمل ہوں پھر بھی بے نہایت ہیں ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست　　ہر چہ بروے میرسی بروے مایست

[2] جس قدر مشاہدہ ہوگا پیاس یعنی مشاہدہ کی طلب بڑھے گی۔ اس حالت کو اس شعر میں بیان کیا گیا ؎

شَرِبْتُ الکَاسَ کَاساً بَعْدَ کَاسٍ　　فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رُوِیْتُ

میں نے پیالہ پر پیالہ پیا　　پھر بھی شراب ختم ہوئی اور نہ پینے والے

من ہمیں دانم این قدر کہ ہرگاہ کہ اینجا می آیم در باطن خود کشش بحضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ بالذات می یابم و خود را از ہمہ بایستہا خالی بینم۔ ترجمہ:- میں نہیں جانتا ہوں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جب یہاں آ جاتا ہوں تو اپنے دل میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنے اندر اس کی طرف کشش اور جذب کو پاتا ہوں اور خود کو تمام تقاضوں اور ضرورتوں سے خالی دیکھتا ہوں۔

و ازاں لذتے عظیم بمن میرسد چوں بیروں مے روم ازاں نسبت تہی مے شوم۔

اور اس کیفیت سے مجھے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے اور جب باہر چلا جاتا ہوں تو اس نسبت اور لگاؤ سے خالی ہو جاتا ہوں۔

اور دوسرا لڑکا بے انتہا خوبصورت تھا اور ہمارے اصحاب کے ساتھ گھلا ملا رہتا تھا اور ان اطراف میں بہت لوگ اس سے دل لگاؤ (محبت رکھتے اور ہمارے اصحاب کو بھی اُس کی محبت کے ساتھ مطعون رکھتے تھے یعنی عیب لگاتے تھے۔ میں نے کہا، اس سے معذرت چاہو یعنی معافی مانگ کے یہاں سے رخصت کر دو۔ اُنہوں نے ہر چند اس میں مبالغہ کیا۔ اس نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا۔ آخر کار وہ رونے لگا اور بڑی بے قراری اور سخت بے تابی کی اور کہا: آخر اس میں آپ لوگوں کا کیا فائدہ ہے کہ میں یہاں نہ آؤں۔ باہر رہنے میں لوگ مجھے پراگندگی میں ڈالتے ہیں اور میری طمانیت کو دُور کر دیتے ہیں اور میرا باطن تقاضوں اور خواہشوں کی کشاکش (کھینچا تانی) اور رنج و مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جو جمعیت کی نسبت یہاں آ کر خود پاتا ہوں اس نسبت سے دُور جا پڑتا ہوں۔ دوستوں نے اُس کو مجبور جان لیا یعنی اس کو معذور جان کر کہنا چھوڑ دیا اور اُس کی مجبوری کو سمجھ لیا۔ اس کا کام یہاں تک پہنچ گیا کہ اس نسبت کا مغلوب ہو گیا یعنی محبت ذاتی و عشق کی نسبت نے اُس کو مغلوب الحال ہوش کھویا اور ایسا حواس باختہ بنا دیا کہ کئی دفعہ وہ اپنے گھر کا راستہ بھی بھول جاتا تھا اور جس وقت مجھے اس سے کام ہوتا۔ جب میں گھر سے باہر آتا تو وہ یا تو دروازہ پر ہوتا یا راستہ میں ہوتا تھا اور جب میں چاہتا کہ اُسے کوئی کام کہوں تو وہ اس کام کو کیے ہوئے ہوتا یا کرتا ہوا ہوتا تھا۔

رہانیدن مرغ لاہوتی کہ محبوس قفس ناسوتی ست بے تاثیر جذبہ کہ لازم است مقام محبوبی را باز بستہ بمتابعت مصطفویست میسر گردد فَعَلَيْكَ بِاتِّبَاعِهٖ

مرغِ لاہوتی[1] جو ناسوتی پنجرہ میں مقید ہے۔ جذبہ کی تاثیر کے بغیر جو مقام محبوبی کے لیے لازم ہے۔ پھر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ وابستہ ہے۔ رہائی پانا ممکن نہیں[2]۔ پس اگر تم حقیقۃ الحقائق کی

---

[1] لاہوت وہ زندگی جو تمام چیزوں پر اثر انداز ہے اور ذیل ہے۔ ناسوت رُوح کے مقام اور جگہ کو کہتے ہیں اور بعض کتابوں میں یہ ہے:-
اَللَّاهُوْتُ عَالَمُ الذَّاتِ ، وَالنَّاسُوْتُ اَلْعَالَمُ الْاِنْسَانِيَّةُ ۔ لاہوت عالم ذات ہے اور ناسوت عالم انسانیہ ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ رُوح جسم کے ڈھانچہ میں مقید کر دی گئی ہے اور اس قید سے اس کی رہائی اس صورت میں ممکن ہے جبکہ (باقی آگے)

صلی اللہ علیہ وسلم انی کنت متوجھا الی
حقیقۃ الحقائق التی لھا تحقق فی کل موجود
وبہ تحققت الموجودات گویا اشارت ﷲ
المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ
باین حقیقت است این جا۔ وھو معکم ۔

طرف دلی رغبت رکھتے ہو جس کی ہر چیز اور موجود میں توجہ ہے اور
اس توجہ سے ہی تمام موجودات قائم بھی ہیں اور وجود میں بھی آتے
ہیں۔ گویا کہ اس آیت وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ
میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مشرق و مغرب
صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ کہ اس کی ذات اور توجہ ان میں ظاہر
ہے۔ پھر جب اس کا رُخ ہر جانب ہے۔ پس مشرق و مغرب کی جس سمت میں بھی تم رُخ کرو گے۔ تمہارا رُخ اس کی طرف
ہی ہوگا۔ اور جس طرف بھی تم متوجہ ہوگے اللہ کی ذات کو موجود پاؤ گے۔ یہاں سے تو جانے گا وھو معکم وہ تمہارے
ساتھ ہے اس کا کیا مطلب ہے یعنی چیزوں کے ساتھ حق سبحانہ کی معیت کی حقیقت بیان ظاہر ہوگی۔

بیت: او بما از ما بسے نزدیکتر　　　داند آں کس کو ز خود دارد خبر

وہ ہم سے زیادہ ہمارے قریب تر ہے۔ اس حقیقت کو وہی جانتا ہے جو اپنی حقیقت سے باخبر ہے۔[1]

(صفحہ گزشتہ سے آگے) کشش اور جذبہ کا عمل اس روح کو اس پنجرے سے نکال لے اور جذبہ و کشش مقام محبوبی کے لیے لازم ہے یعنی ایسا چپٹا ہوا ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا۔ پس یہ نہ ہوگا کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے لیے جذبہ و کشش نہ ہو اور مقام محبوبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے اور غیر سے چھڑا دے تو تم میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو مقام محبوبی عطا فرما دے گا۔ خلاصہ یہ کہ تم اللہ کے محبوب کی پیروی کرو گے اور اُن کے نقش قدم پر چلو گے تو بس اتباع سے تم بھی اللہ کے محبوب بن جاؤ گے ۔ حقیقۃ الحقائق سب اصلیتوں کی اصل اور سب اصلیتوں کی ماہیت اور سب جواہر کے جوہر یعنی اللہ کی ذات اقدس ہے جو ہر وجود کی علت اور سبب ہے اور اس کی توجہ اور ارادہ سے تمام موجودات موجود ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) لہ پہلا مصرعہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ترجمہ ہے، ونحن اقرب الیہ من حبل الورید ۔ ہم آدمی کے ساتھ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ مگر اس قرب کی حقیقت اس شخص کی سمجھ میں آئے گی جو اپنی اصلیت اور حقیقت کو سمجھتا ہوگا۔

برخورداری از حیات کسے راست کہ دلش از دنیا سرد باشد و بذکر حق گرم۔ حرارت قلبش وگزارد کہ محبت دنیا گرد حریم دل او گردد۔ تا چناں گردد کہ اندیشہ اش جز حق سبحانہٗ ہیچ نباشد۔

زندگی سے اصل فائدہ اس کو حاصل ہے جس کا دل دنیا سے سرد ہو گیا ہو اور حق کے ذکر کے ساتھ گرم اور اتنا گرم کہ اس کے دل کی گرمی اس کا موقع نہیں دیتی کہ دنیا کی محبت اس کے دل کے پاس بھی پھٹک سکے۔ اس کا حال یہاں تک ہو جاتا ہے کہ اس کی فکر اور سوچ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی اس کی سوچ اور فکر کا محور صرف حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات عالی رہ جاتی ہے اور ماسوا کا فکر اور خیال اس کے قلب و دماغ سے کافور ہو جاتا ہے۔

فیض شئنیں را مظاہر کثیرہ است۔ ہرچہ موجود است اورا از تجلی ذاتی نصیب است کہ آں را وجہ خاص مے گویند ایں وجہ را انجذاب بحق سبحانہٗ واقع ست بسبب دوام توجہ اگر بتاثیر اسم الہادی از تصرف اسم المُضِل نجات یابد بدوام انجذابش بذات مقدسہ از خود بکلی نیست شدہ بہ مہیمن ملحق شدہ غیر از حق سبحانہٗ نبیند و نداند۔ وَالعیاذُ باللہ اگر بتاثیر اسم المضل طریقۂ مستقیمہ انجذاب بذات گم کند۔ گرفتار خود گشتہ جز خود نہ بیند و غیر خود نداند۔ ہماں آں کند کہ ظلمتش بر ظلمت افزاید ہمیشہ محجوب و ممنوع از شہود وحدت گردد۔ نہ اورا روح در طاعت باشد، بلکہ طاعت نیز نباشد۔ ہمہ عذابہائے دنیوی و اُخروی و صوری و معنوی را مستعد و مہیا گردد۔ و خلاص ازیں بلیۂ اسباب ست از توبۂ نصوح و مباشرت اعمال صالحہ۔ بہترین آنکہ از سر صدق بخدمت طائفہ کہ بمحبت ذاتی از خود رہائی یافتہ اند قیام نماید تا بتمامی خود را در ایشاں گم کند۔ رَزَقَنَا اللہُ وَ اِیَّاکُم۔

پہلے فیض کے لیے بہت مظاہر ہیں۔ موجودات میں جو کچھ بھی موجود ہے اس کے لیے تجلی ذاتی سے حصہ ہے کہ اس حصے کو وجہ خاص کہتے ہیں۔ اس وجہ کو باعتبار دوام توجہ کے، حق سبحانہٗ کے ساتھ انجذاب اور کشش واقع ہے۔ اگر اسم الہادی کی چمک اور نورانیت کے ساتھ اسم المضل کے تصرف سے نجات پا جاتا ہے تو ذات مقدسہ کے ساتھ اپنی دوام کشش کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے پورے طور پر نیست و نابود ہو کر مہیمن، مہربانی کرنے والے اور حفاظت کرنے والے کے ساتھ مل کر نہ وہ حق سبحانہٗ کے ماسوا کو دیکھتا ہے اور نہ جانتا ہے۔ اللہ بچائے۔ اگر اسم مضل گمراہ کرنے والے کی ظلمت و اثر سے ذات حق کے ساتھ انجذاب کے طریقہ کو گم کر دے تو اپنا گرفتار ہو کر اور اپنے میں پھنس کر پھر وہ اپنے سوا کو نہ دیکھتا ہے اور نہ اپنے سوا کو جانتا ہے، بلکہ وہ صرف اپنے کو دیکھتا ہے اور اپنے کو ہی جانتا ہے۔ اور سدا کچھ وہی کرتا ہے کہ جس سے اسکی سیاہی پر سیاہی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اور اللہ کی یکتائی کے شہود اور حضور کو پیش نظر رکھنے سے وہ محجوب یعنی پردہ میں کر دیا جاتا ہے۔ اور اُس کے تصور و خیال سے وہ روک دیا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ بندگی میں اُس کے لیے لذت اور راحت نہیں رہتی ہے، بلکہ اللہ کی فرمانبرداری اور بندگی بھی نہیں رہتی۔ وہ

دُنیوی اور اُخروی، ظاہری اور باطنی تمام عذابوں کے لیے آمادہ اور تیار رہتا ہے اور اس مصیبت و بلا سے نجات پا لینے کے اسباب میں توبۂ نصوح خالص سچی اور خلوص والی توبہ ہے جس کے بعد پھر گناہ نہ کرے اور اس کے بعد اعمال صالحہ کو کرنا ہے اور اسباب میں سب سے بہتر یہ ہے کہ صدق نیت سے اس جماعت کی خدمت میں جنہوں نے ذاتی محبت کے ساتھ اپنی ہستی سے رہائی پالی ہو حاضر ہو کر رہنے لگے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو پورے طور سے ان میں گم کر دے اور اپنی مرضی اور خواہش کو اُن کی مرضی اور خوشنودی میں فنا کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں یہ نعمت نصیب کرے۔ آمین۔

دانی کہ پیر کیست، پیر آنکس ست کہ آنچہ مرضیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیست از و نیست شدہ باشد و آنچہ وازوست صلی اللہ علیہ وسلم نماندہ، بلکہ او و بایست او از وتمام گم شدہ باشد و او آئینہ شدہ باشد کہ جز اخلاق و اوصاف نبوی درو ہیچ نباشد دریں مقام بواسطۂ اتصاف اوصافِ نبویّہ مظہر تصرف حق سبحانہٗ گشتہ بتصرف الٰہی در بواطن مستعدان تصرف کردہ تمام از خود خالی شدہ و بمرادِ حق سبحانہٗ ایستادہ۔ بیت

تجھے معلوم ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے کہ جو چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ نہیں ہے وہ اس سے جاتی رہی ہو اور جو کچھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے وہ اس میں نہ رہا ہو۔ بلکہ وہ اپنے سے کامل طور پر غائب ہو گیا ہو۔ اور اس سے اس کی خواہش پوری طرح مفقود ہو گئی ہو اور وہ ایسا آئینہ ہو گیا ہو کہ اُس میں اخلاق و اوصاف نبوی کے سوا دُوسری کوئی چیز باقی نہ رہی اُس تمام میں صفات نبویہ سے موصوف ہونے کے سبب حق سبحانہٗ کے تصرف کا مظہر بن کر اور خدا تعالیٰ کے تصرف کے ساتھ اہل استعداد کے باطنوں میں تصرف کرتا ہو اور اپنے سے پورے طور پر خالی ہو کر حق سبحانہٗ کے مقصد اور مراد کے ساتھ کھڑا ہوا ہو۔

از بس کہ در کنار ہمیں گیسرد آں نگار
بگرفت بوئے یار و رہا کرد بوئے طین

یقیناً وہ معشوق اُس کو ہی بغل میں لے گا جو یار کی خوبو لے گا اور مٹی کی خصلت چھوڑ دے گا۔ یعنی اللہ کے اخلاق اختیار کرے گا اور بشری صفات، حرص، اُمیدوں اور خود غرضیوں کو چھوڑ دے گا۔

مرید آنکہ بتاثیر آتش محبت و ارادت بایست او سوختہ باشد و از مرادات او ہیچ نماندہ و بصیرتِ دل در آئینہ پیر جمالِ مراد دیدہ روی از مجموع قبلہا

مرید وہ ہے کہ محبت اور عقیدت کی آگ سے اس کی چاہت اور ضرورت جل چکی ہو۔ اور مرادوں اور چاہتوں میں سے کچھ نہ رہا ہو اور دل کی بصیرت سے پیر کے آئینہ میں مراد کا چہرہ دیکھ کر سب قبلوں سے مُنہ پھیر لیا ہو

لہ خلاصہ یہ ہے کہ اصلی پیر وہ ہے جس کا کوئی قول، کوئی فعل خلاف سُنّت نہ ہو۔ اس میں خود غرضی نہ ہو۔ اللہ کی یاد اس پر اتنی غالب ہو کہ وہ خود کو بھول گیا ہو۔ اللہ کی دی ہوئی طاقت کے ذریعہ لوگوں کو بے دینی سے ہٹا کر دین پر لگا دیتا ہو۔ اس کا اپنا کوئی مقصد نہ ہو بلکہ اللہ کی مراد یعنی اس کے مقصد کی تکمیل پر کمربستہ ہو۔ ہر وقت حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر میں رہتا ہو۔

گردانیدہ و قبلۂ او جمالِ پیر گشتہ و در بندگیِ پیر از آزادی فارغ آمدہ و سرِ نیاز جز بر آستانۂ پیر ننہادہ و اعراض از ہمہ کردہ، سعادتِ خود در قبولِ او دانستہ و شقاوتِ خود را در ردِّ او، بلکہ رقمِ نیستی بر ناصیۂ وجود کشیدہ و از تفرقۂ شعور بوجودِ غیرِ پیر خلاص گشتہ۔ بیت:

اور اس کا قبلہ پیر کا حسن و جمال ہو گیا ہو اور نیاز کا سر پیر کے آستانہ کے بغیر اور کہیں نہ رکھتا ہو اور سب سے منہ پھیر کر اپنی سعادت و خوش نصیبی کو اس کے قبول میں جانتا ہو اور اپنی بدنصیبی کو اس کے رد کر لے اور اس کے دل سے گر جانے میں، بلکہ کچھ نہ ہونے کی تحریر اپنے وجود کی پیشانی پر لکھ دی ہو اور پیر کے ماسوا کے شعور کے تفرقہ سے آزاد اور خلاص ہو گیا ہو۔

آں را کہ در سرای نگاری است فارغ است
از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

جو کوئی معشوق کے گھر میں ہے وہ باغ[1] و بوستان اور لالہ زار کے تماشا سے فارغ ہے۔

اگر پرسند کہ توحید چیست، بگو تخلیصِ دل و تجریدِ او از علم بغیرِ حق سبحانہٗ

اگر پوچھیں کہ توحید کیا ہے؟ تو کہہ حق سبحانہٗ کے غیر کی واقفیت اور خبرداری سے دل کو خالی کر لینا۔

اگر پرسند کہ وحدت چیست، بگو تخلیصِ دل از علم و شعور بوجودِ غیر۔

اگر پوچھیں کہ وحدت یعنی تنہائی اور یگانگی کیا ہے؟ تو کہہ کہ غیر کے وجود کا علم و شعور دل سے نکال[2] دینا۔

اگر پرسند کہ اتحاد چیست، استغراق در ہستیِ حق سبحانہٗ۔

اگر پوچھیں کہ اتحاد، ایک ہو جانا کیا ہے؟ تو کہہ کہ حق تعالیٰ کی ہستی میں غرق ہو جانا۔

اگر پرسند سعادت چیست، بگو خلاصی از خود بدیدِ حق سبحانہٗ

اگر پوچھیں سعادت اور خوش نصیبی کیا ہے؟ تو کہہ اپنے سے چھٹکارا پانا حق کے دیکھنے کے ساتھ۔

اگر پرسند شقاوت چیست، بگو بخود درماندن و از حق باز ماندن

اگر پوچھیں شقاوت[3]، بدبختی، بدسگالی کیا ہے؟ تو کہہ اپنے میں مشغول رہنا اور حق تعالیٰ سے دور رہنا ہے۔

اگر پرسند وصل چیست، بگو نسیانِ خود بشہودِ نورِ وجودِ حق سبحانہٗ۔

اگر پوچھیں کہ وصل[4] کیا ہے؟ تو کہہ کہ حق سبحانہٗ کے وجود کے نور کے مشاہدہ میں خود کو بھول جانا۔

---

[1] باغ، چمن کو کہتے ہیں۔ بوستان پھلواری کو اور لالہ زار وہ کھیت جس میں لالہ کے بہت پھول ہوں۔ لالہ ایک مشہور پھول ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اردو میں بھی اس پھول کو لالہ کہتے ہیں۔ ہندوستان میں ہوتا ہے کچھ گلابی اور سرخ رنگ۔ [illegible]

[2] مطلب یہ ہے کہ دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ مخلوق کا وجود اپنا وجود نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے موجود ہے۔ ہر چیز کا وجود مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی ہے۔

[3] شقاوت کے معنی بدبختی اور سنگدلی دونوں آتے ہیں۔ معشوق سے ملنا اور ملاقات کرنا۔

[4] میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے خط کے ذریعے حق تعالیٰ کے ساتھ وصل کا مطلب پوچھا۔ حضرت مدنیؒ نے اس کے جواب

اگر پرسند فصل چیست۔ بگو جدا کردن سر از غیر حق سبحانہٗ۔

اگر پوچھیں کہ فصل کیا ہے؟ تو کہہ غیر حق سبحانہٗ سے دل کو جدا کر دینا اور غیر حق سے اُس کے تعلق کو کاٹ دینا۔

(۷)

اگر پرسند سکر چیست۔ بگو، ظاہر شدن حالے بر دل کہ دل نتواند کہ پوشیدہ دارد چیزے را پوشیدن دارد چیزے را پوشیدن آن چیز پیش از این حال واجب ست۔

اگر پوچھیں کہ سکر (مستی و نشہ) کیا ہے: تو کہہ دل پر ایسے حال کا ظاہر ہو جانا جس چیز کا اس حال سے پہلے چھپانا واجب تھا۔ اس حال میں اس کے چھپانے کی دل میں طاقت نہ رہے۔ یعنی دل اُس کے ظاہر کرنے پر مجبور ہو جاوے۔

حضرت خواجہ عبید اللہ نے فرمایا کہ مولانا حسام الدین شاشی حضرت امیر سید کلال کے صاحبزادہ امیر عمر رحمہم اللہ تعالیٰ کے اصحاب میں سے تھے۔ ان کو پورا استغراق رہتا تھا۔ ان کو بخارا کی قضا کے منصب پر مقرر کر دیا گیا۔ میں ان کی عدالت میں حاضر ہوتا۔ ان کے بالمقابل ایک کٹہرہ تھا کہ میں تو ان کو دیکھتا اور وہ مجھے نہ دیکھتے تھے۔ میں وہاں بیٹھا رہتا اور غور سے انہیں دیکھتا رہتا تھا۔ میں نے کسی لمحہ بھی اُن کے ذکر میں فراموشی و غفلت کو نہ پایا۔ اور نہ ہی اس میں نقص یا خرابی اور سستی کو پایا۔ اور حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اس کام کے لیے کوئی لباس اس سے بہتر نہیں ہے کہ فائدہ پہونچانے اور فائدہ حاصل کرنے کیلئے اہل علم کی صورت میں رہے اور حضرت خواجہ عبید اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا کہ میرے اندر تصرف فرمایا یعنی مجھے توجہ دی اور میں بے خود ہو کر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو حضرت خواجہ میرے پاس سے آگے جا چکے تھے۔ میں نے چاہا کہ آپ کے پیچھے جاؤں۔ میرے پاؤں لڑکھڑا جاتے تھے۔ بڑی تکلیف سے خواجہ کے پاس پہنچا تو فرمایا مُبارک ہو۔ حضرت خواجہ عبید اللہ نے یہ بھی فرمایا، ایک اور دفعہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا، اُنہوں نے چاہا کہ مجھ میں تصرف کریں، لیکن نہ ہو سکا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہوئی ہوگی کہ خواجہ بزرگ پہلے تصرف کر چکے تھے۔ یہ فقیر جس زمانہ میں بخارا پہونچا اور مولانا حسام الدین اور مولانا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) میں یہ شعر لکھا۔ ؎ قرب او را وصال می گویند وصل او را محال می گویند
اللہ کے قرب کو وصل کہتے ہیں یا وصال کہتے ہیں اور اس کے ساتھ ملنے کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) لہ فصل۔ وصل کی ضد ہے یعنی جدا ہو جانا، دُور ہو جانا اور کٹ جانا۔

لہ یعنی درویشی کو چھپانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ علم والوں کی صورت میں عام لوگوں کو فائدہ پہنچاتے اور دوسروں سے فائدہ حاصل کرے۔ مثلاً طالب علم بن کر علم حاصل کرتا رہے یا معلم بن کر دوسروں کو علم سکھاتا رہے یا اُمت کے عقاید اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے زبان و قلم سے جہاد کرتا رہے۔ لہ یعنی توجہ کے ذریعے میرے حال میں تبدیلی فرمائیں۔

حمید الدین شاشی کی خدمت کے شرف سے مشرف ہوا۔ اس فقیر میں اضطراب واضطرار[1] تھا۔ آپ نے فرمایا، مراقبہ حقیقت میں انتظار ہے۔ اور حقیقت مراقبہ اسی انتظار کی تعبیر اور بیان[2] ہے۔ نہایت سیر۔ سیر کی انتہا اس انتظار کے حصول کی تعبیر اور بیان[3] ہے۔ اور اس کے انتظار کے ثابت اور پختہ ہو جانے کے بعد کہ اس کا ظہور غلبۂ محبت ہے[4]۔ اس کی رہنمائی کرنے والا صرف انتظار ہی ہے اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی اس کے لیے راہ بتانے والا نہیں ہے۔

بیت:۔ گر ندارم از شکر جز نام بہر　　　　این بسے بہتر کہ اندر کام زہر

آسمان نسبت بعرش آمد فرود　　　　ورنہ بس عالیست پیش خاک تود

ترجمہ:۔ اگر میں شکر کے نام کے سوا کچھ نہ دکھوں بہر صورت یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ منہ میں زہر ہو۔ آسمان عرش کی نسبت تو نیچا ہے، لیکن مٹی کے ٹیلوں کے سامنے اونچا ہے۔

چوں امثال ما فقیراں را بطریق ذوق دریافت ایں معانی میسر نیست گرفتاری با ایں چنیں گفت و گوی شیریں زسے نماید از اشتغال بغیر ایں گفتگو رَزَقَنَا اللّٰہُ وَ اِیَّاکُمْ اِنْتِظَارًا یُّغْنِیْنَا عَنَّا بِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

جبکہ ہم جیسے فقیروں کو بطریقہ ذوق یہ مطالب میسر نہیں تو ایسی باتوں میں گرفتاری بڑی میٹھی معلوم ہوتی ہے[5] خدا تعالےٰ ہم کو اور تم کو ایسا انتظار نصیب کرے جس کے سبب دوسروں سے ہم کو بے پرواہ اور بے نیاز کر دے بحرمتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

[1] مجھ میں بے قراری، بے چینی، تڑپ اور بے کلی تھی یعنی اس کی طلب نے مجھے بے تاب کیا ہوا تھا۔

[2] جیسے کوئی بھکاری کریم کے دروازہ پر خیرات کے انتظار میں بیٹھا ہوا انتظار کرتا ہے کہ اس دروازہ سے جو آئے گا لوں گا۔

[3] مراقبہ کی اصلیت و ماہیت یہی انتظار ہے۔ دوسرے الفاظ میں انتظار کو ہی مراقبہ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مراقبہ انتظار کی کیفیت اور حالت انتظار کو کہتے ہیں۔ اور نہایت سیر انتظار کی کیفیت اور حالت کے حاصل ہو جانے کو کہتے ہیں۔ مختصر طور پر سمجھو کہ سیر الی کی انتہا یہی انتظار ہے۔ اس بنا پر کہ اس کا انتظار تقیہ کا انتظار ہے اور تقیہ کا انتظار قطع مسافت یعنی دوری اور فاصلہ کو ختم کرنے کے بعد ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ چونکہ نہایت ہے یعنی انتظار سالک کی آخری منزل ہے۔ مشائخ کہتے ہیں کہ نہایات مقامات، بدایت ایں طائفہ خواجگان است قدس اللہ اسرارہم یعنی دوسرے حضرات کو جن کی انتہا میں اور آخر میں ضرورت ہوتی ہے۔ حضرات نقشبند ابتداء میں اس کا امر فرماتے ہیں۔

[4] محبت کا غلبہ یعنی محبت کا زور جسے عشق بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ کافر اپنے بتوں سے اللہ جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان والے ہیں۔ وہ اللہ سے سب سے زیادہ قوی محبت رکھتے ہیں۔ یعنی اُن پر محبت کا غلبہ اور ایسا زور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے مقابلے میں انکی ساری محبتیں کمزور اور ضعیف ہو جاتی ہیں۔